از

ڈاکٹر انور اقبال قریشی

ایم۔ اے، ایم۔ ایس۔ سی اکنامکس (لندن) پی ایچ ڈی (ڈبلن)

صدر شعبہ معاشیات، جامعہ عثمانیہ حیدرآباد (دکن)

شاہراہِ عثمانی۔ حیدرآباد (دکن)

ڈاکٹر قریشی کی انگریزی تصانیف

1. The Farmer and His Debt.
   (London 1934.)
2. Agricultural Credit.
   (London 1936.)
3. The State and Economic life
   (Bombay 1938.)
4. State Banks for India.
   (London 1939.)

پہلا ایڈیشن ایک ہزار — دسمبر ۱۹۴۳ء

مطبوعہ

مطبع مکتبۂ ابراہیمیہ حیدرآباد دکن

قیمت ۱۵/

جنگ اور اغذیہ

ہندوستان میں خوردنی اجناس کی پیدائش ملک کی ضروریات کو پیش نظر رکھتے ہوئے چنداں ناکافی نہیں ہے اگر گذشتہ پانچ سال کی اوسط پیدائش کو پیش نظر رکھا جائے تو پتہ چلتا ہے کہ ۱۹۳۷ء سے ۱۹۴۲ء تک ملک میں چاول کی سالانہ اوسط پیدائش ۲۵۰ لاکھ ٹن اور گیہوں کی ۱۰۰ لاکھ ٹن تھی۔

جہاں تک ملک کے لئے گیہوں کی ضروریات کا تعلق ہے ہندوستان بالعموم اتنا گیہوں پیدا کرتا ہے جس سے تمام ملک کی ضروریات پوری ہو سکیں اور ملک کی ضروریات پوری کرنے کے بعد گیہوں کی ایک تھوڑی سی مقدار باہر بھیجی جا سکے۔ پنجاب اور سندھ اپنی ضروریات سے کہیں

زیادہ گیہوں پیدا کرتے ہیں اور یہ بندرگاہ کراچی کے راستہ بیرونی ممالک
کو بھیجا جاتا ہے۔ اس کے برعکس معمولاً بنگال مدراس اور بمبئی میں گیہوں
کی کمی ہو جاتی ہے۔ اور یہاں آسٹریلیا سے عام طور پر گیہوں منگوایا جاتا ہے
ویسے ملک میں اتنا گیہوں موجود ہوتا ہے کہ وہ ان صوبوں کی ضروریات
کو پورا کر سکے۔ چونکہ یہ صوبے گیہوں پیدا کرنے والے صوبوں سے بہت دور
ہیں اور ریل کا کرایہ اتنا زیادہ ہے کہ یہاں اتنی دور سے بذریعہ ریل
غلہ لانا نفع بخش نہیں سمجھا جاتا۔ اس کے برعکس ان صوبوں کے لئے جنگ
سے پہلے یہ زیادہ نفع کا سودا تھا کہ وہ اپنی ضروریات کے لئے گیہوں
آسٹریلیا سے منگوالیا کریں کیونکہ جہاز کے کرائے ریل کے کرایوں سے کم
ہوتے ہیں۔ جنگ سے قبل کے سال کو اگر پیش نظر رکھیں تو پتہ چلتا ہے
کہ ہندوستان سے سنہ ۳۹-۱۹۳۸ء میں دو لاکھ انہتر ہزار ایک سو اکاسی ٹن گیہوں
باہر بھیجا گیا۔ یہ زیادہ تر پنجاب اور سندھ سے بھیجا گیا تھا اور ایک لاکھ
انسٹھ ہزار باسٹھ ٹن گیہوں قلت والے صوبوں میں باہر سے درآمد کیا گیا
اگر ہم درآمد کی مقدار کو برآمد کی مقدار سے نکال دیں تو بھی اس سال
ملک میں ایک لاکھ بیس ہزار ٹن زائد گیہوں تھا۔ صاف اور سیدھے
الفاظ میں اس کا یہ مطلب ہے کہ معمولی حالات میں جب نقل و حمل
کی کوئی دشواری نہ تھی ہندوستان گیہوں کی حد تک تمام ملک کی ضروریات

پوری کرنے کے بعد بھی ایک لاکھ بیس ہزار ٹن گیہوں باہر بھیج سکتا تھا۔

متذکرہ بالا اعداد وشمار کی روشنی میں ہم یہ نتیجہ اخذ کرنے میں حق بجانب ہیں کہ گیہوں کی حد تک ہندوستان خود مکتفی ملک ہے اور تھوڑا سا گیہوں باہر بھیجنے کے باوجود بھی ہندوستان اپنی ضروریات بخوبی پوری کر سکتا ہے۔

چاول چاول جو ملک کی اہم ترین غذا ہے اس کی حد تک ہندوستان اتنا خوش قسمت واقع نہیں ہوا جتنا کہ گیہوں کی حد تک ہے معمولی طور پر ہندوستان میں دو سو پچاس لاکھ ٹن چاول پیدا ہوتا ہے ملک کی ضروریات کو پورا کرنے کے لئے ہمیں دو سو پینسٹھ لاکھ ٹن چاول کی ضرورت ہوتی ہے اس لحاظ سے عام حالات میں ملک میں پندرہ لاکھ ٹن چاول کی کمی ہوتی ہے جو جنگ سے پہلے برما۔ چینی ہند اور سیام سے آتا تھا۔ پندرہ لاکھ ٹن بظاہر ایک بڑی مقدار معلوم ہوتی ہے لیکن ہمیں یہ نہ بھولنا چاہئے کہ یہ ہماری ضروریات کا صرف ۶ فی صد حصہ ہے جو بہت ہی معمولی ہے اور اس تھوڑی سی کمی کو آسانی سے ملک میں پورا کیا جا سکتا ہے کیونکہ ملک میں صرف گیہوں اور چاول ہی دو اناج نہیں ہیں اگرچہ بظاہر ان کی اہمیت بہت زیادہ ہے۔

اگر حکومت ہند کے تیار کردہ اعداد و شمار کا بغور مطالعہ کیا جائے

تو ہمیں یہ پتہ چلتا ہے کہ جنگ سے پہلے یعنی ۱۹۳۸-۳۹ء میں خوردنی اجناس کے زیر کاشت رقبہ اٹھارہ کروڑ باسٹھ لاکھ ستاون ہزار چار سو بیاسی ایکڑ تھا اس میں سے دھان کے زیر کاشت رقبہ ۱۹۹۱۷۹۳۸ ایکڑ تھا اور گیہوں کے زیر کاشت رقبہ ۲۷۶۸۰۶۴۶ ایکڑ تھا باقی نصف رقبے پر جوار، باجرا، جو، مکئی، چنا اور دیگر اجناس اور دالوں کی کاشت ہوتی تھی۔ ان اجناس کے زیر کاشت رقبہ کی اہمیت کا اندازہ اس امر سے کیا جا سکتا ہے اگر گیہوں کے زیر کاشت رقبہ ۲۷۶۸۰۶۴۶ ایکڑ تھا تو جوار کے زیر کاشت رقبہ بھی ۳۱۶۷۶۶۱۷ ایکڑ تھا۔ باجرا اور چنا کے زیر کاشت رقبہ بھی ایک کروڑ سے زیادہ ایکڑ تھا۔ بدقسمتی سے ان اجناس کی مقدار پیدائش کے متعلق مجھے تازہ ترین اعداد و شمار دستیاب نہیں ہوسکے لیکن اس امر کے پیش نظر کہ خوردنی اجناس کے جملہ رقبے کا تقریباً نصف حصہ ان اجناس کی کاشت کے لئے مختص ہے اور یہ اجناس بالعموم غریب لوگ استعمال کرتے ہیں اور چنے کے علاوہ ان کی چنداں برآمد بھی نہیں ہوتی، فوج کے لئے بھی یہ اجناس برائے نام درکار ہوتی ہیں۔ یہ امر مشکل نہیں معلوم ہوتا کہ ہم چاول کی درآمد کی معمولی کمی کو ان اجناس سے کیوں پورا نہ کریں؟

اگر یہ اعداد و شمار درست ہیں اور یہ حکومت ہند کی مستند کتابوں

سے اخذ کئے گئے ہیں تو پھر ایک اہم سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ملک میں
غذائی صورت حال ایسی ابتر کیوں ہے؟ میں اس سلسلہ میں ایک اہم سوال
کرنا چاہتا ہوں جنگ چھڑے ہوئے اب پانچواں برس شروع ہو رہا ہے
چینی ہند، سیام اور برما پر قبضہ ہوئے دو برس ہو چکے ہیں یہ وہ ملک
ہیں جہاں سے ہم چاول منگوایا کرتے تھے۔ برما پر جاپان کے قبضہ سے
پہلے جہازوں کی کمی کی وجہ سے وہاں کے چاول کی درآمد میں کمی ہو گئی تھی
پھر آج سے دو برس پہلے غذائی صورت حال کیوں ابتر نہ ہوئی اور اس
وقت کیوں ابتر ہو رہی ہے؟ آج سے دو برس پہلے "زیادہ غلہ اگاؤ"
کی مہم شروع نہ ہوئی تھی غذا کے استعمال پر چنداں پابندیاں نہ تھیں ورس
کے باوجود ملک کی غذائی حالت ایسی بُری نہ تھی۔ اس لئے میں اس نتیجہ
پر پہنچا ہوں کہ موجودہ غذائی صورت حال کی ابتری کا سبب غلے کی
کمی نہیں ہے کیونکہ یہ کمی تو گذشتہ تین سال سے پائی جاتی ہے اس لئے
اس کا حل دیگر اسباب میں تلاش کرنا چاہئے۔ ان اسباب کا ذکر کرنے
سے پہلے ہم ۱۹۴۱-۴۲ء کی غذائی صورت حال کا تجزیہ کریں گے،
جس کے متعلق ہمارے پاس اعداد و شمار موجود ہیں۔

غلط اندازی اس مفروضے پر کہ ہندوستان میں چاول کی پیدائش
۳۰۰ لاکھ ٹن ہے" پروفیسر رادھا کمل مکرجی"

نے اپنے رسالہ موسومہ "غذائی رسد" میں بیان کیا ہے کہ ۴۲-۱۹۴۱ء میں چاول کی پیدائش ۲۵۰ لاکھ ٹن سے کچھ زاید تھی اس لحاظ سے پیداوار میں ۵۰ لاکھ ٹن کی کمی واقع ہوئی اس کے علاوہ ۲۰ لاکھ ٹن سے زیادہ غلہ جو برما وغیرہ سے درآمد کیا جاتا تھا وہ بھی بند ہوگیا اس لئے ملک میں چاول کی حد تک ۷۰ لاکھ ٹن کی کمی ہوجاتی ہے "زیادہ غلہ اگاؤ" کی مہم کی وجہ سے اندرون ملک چاول کی پیدائش میں ½ ۸ لاکھ ٹن کا اضافہ ہوا ہے اس لئے ملک میں کم سے کم چاول کی حد تک ۶۰ لاکھ ٹن کی کمی ہے میری رائے میں یہ اعداد نہایت گمراہ کن ہیں کیونکہ حکومت ہند کی شائع کردہ کتاب "برطانوی ہند کے اعداد وشمار کا خلاصہ" کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ ۳۹-۱۹۳۸ء میں ہندوستان میں چاول کی مجموعی پیداوار ۲۲۳٫۹ لاکھ ٹن تھی پروفیسر مکرجی نے جو ۳۰۰ لاکھ ٹن کی اوسط پیدائش نکالی ہے وہ گذشتہ دس سال کی اوسط پیدائش ہے جس میں پہلے پانچ سال کی برما کے چاول کی بھی پیدائش شامل ہے کیونکہ اس وقت تک برما ہندوستان کا ہی جزو تھا۔ جب سے برما کو ہندوستان سے خارج کردیا گیا ہے اس وقت سے ملک میں چاول کی پیدائش کا اوسط ۲۵۰ لاکھ ٹن سے زیادہ نہیں نکلتا۔ ۳۹-۱۹۳۸ء میں ہم نے صرف ۱۳ لاکھ ٹن چاول درآمد کیا۔ چاول کی درآمد میں سال بہ سال بہت کچھ

کمی بیشی ہوتی رہتی ہے۔ درآمد کی کمی بیشی خود اس بات کو ثابت کرتی ہے کہ ملک کی معیشت میں ایسی لچک موجود ہے جو باوجود کم یا زیادہ چاول آنے کے بھی اپنی ضروریات کو پورا کر سکتی ہے۔ اس بیان کے ثبوت میں ہم مندرجہ ذیل اعداد و شمار پیش کرتے ہیں جس سے پتہ چلتا ہے کہ کبھی تو چاول کی درآمد ۱۸ لاکھ ٹن سے اوپر رہی اور کبھی صرف ۱۲ لاکھ ٹن۔

سال		درآمد	
۱۹۳۶ء - ۳۷	چاول	۱۸،۰۸،۰۰۰	ٹن
	دھان	۶۷۷۰۲	ٹن
۱۹۳۷ء - ۳۸	چاول	۱۱،۹۸،۰۶۳	ٹن
	دھان	۳۶۰۱۳	ٹن
۱۹۳۸ء - ۳۹	چاول	۱۲،۸۱،۶۹۳	ٹن
	دھان	۸۳۸۱۴	ٹن
۱۹۳۹ء - ۴۰	چاول	۱۸،۸۷،۲۸۸	ٹن
	دھان	۳۳۹۳۵۰	ٹن
۱۹۴۰ء - ۴۱	چاول	۱۲،۰۷،۰۰۰	ٹن
	دھان	۴۵۰۰۰	ٹن

یہ اعداد و شمار صاف ظاہر کرتے ہیں کہ پروفیسر مکرجی کے انداز ے

نہایت غلط اور گمراہ کن ہیں۔ واقعہ یہ ہے کہ ۴۲-۱۹۴۱ء میں چاول کی پیدائش کا جو اندازہ ۲۵۰ لاکھ ٹن لگایا گیا ہے وہ ۳۹-۱۹۳۸ء کے مقابلے میں چاول کی حد تک ملک کی زیادہ بہتر صورت حال پیش کرتا ہے کیونکہ اس سال چاول کی پیدائش صرف ۲۳۰ لاکھ ٹن تھی ۴۱-۱۹۴۰ء میں چاول کی پیدائش کا اندازہ صرف ۲۲۰ لاکھ ٹن تھا اور اگر ۱۳ لاکھ ٹن درآمد کو بالکل خارج از بحث بھی کر دیا جائے تو بھی ۳۹-۱۹۳۸ء کے مقابلہ ۴۲-۱۹۴۱ء میں چاول کی حد تک ہندوستان کی صورت حال جنگ کے پہلے کی صورت حال سے کہیں زیادہ بہتر تھی۔

خوردنی اجناس کی برآمد

خوردنی اجناس کی برآمد کی حد تک ملک میں بہت ہی مبہم قسم کے خیالات پائے جاتے ہیں یہ عام طور پر یقین کیا جاسکتا ہے کہ ملک کی موجودہ غذائی ابتری غلے کی کثیر برآمد کی وجہ سے ہو رہی ہے۔ میرے پاس صحیح تازہ اعداد وشمار موجود نہیں ہیں جن سے متذکرہ خیال کی تائید یا تردید کی جاسکے۔

لیکن ۴۱-۱۹۴۰ء تک کے جو حکومت ہند کے شائع کردہ اعداد وشمار مجھے دستیاب ہوسکے ہیں ان سے تو یہ پتہ چلتا ہے کہ غلے

کی برآمد میں زیادتی کے بجائے کمی واقع ہوئی ہے چاول کی برآمد ۲۰۸۳۰۰۰ ٹن سے گھٹ کر صرف ۲،۵۱،۰۰۰ ٹن رہ گئی اور اسی عرصہ میں یعنی ۳۹-۱۹۳۸ء سے ۴۱-۱۹۴۰ء میں گیہوں اور آٹے کی برآمد ۲۰،۹۰،۰۰۰ ٹن سے گھٹ کر ۲،۱۰،۰۰۰ ٹن رہ گئی۔

موجودہ غذائی ابتری کے حقیقی اسباب

اگر موجودہ غذائی ابتری کے متعلق میری صاف اور ایماندارانہ رائے پوچھی جائے تو میں اس کا بوجھ زیادہ تر حکومت ہند کے کندھوں پر ڈالوں گا اُن کی متذبذب غیر فیصلہ کن اور بدلتی ہوئی پالیسی ہی اس حالت کی ذمہ دار ہے جس میں آج ہم مبتلا ہیں۔ حکومت کے حقیقی بہی خواہ ہونے کی حیثیت سے میں ان پر الزامات لگا کر اس وقت ان کو پریشان کرنا نہیں چاہتا۔ ان کی غلطیاں جتانے سے اس وقت میرا مطلب صرف یہ ہے کہ اب بھی وقت ہے کہ ان کی تلافی کی جائے اور ملک کے حقیقی نمائندوں سے جو ذاتی طور پر صورت حال سے واقف ہیں صلاح و مشورہ کر کے کوئی مناسب حکمت عملی اختیار کی جائے۔

حکومت ہند نے اس سلسلہ میں جو مختلف کانفرنسیں منعقد کی

ہیں ان میں عوام کے بعض نمایندوں نے جو مشورہ دیا ہے حکومت نے اس پر اکثر عمل نہیں کیا۔ پنجاب کے نمایندے چودھری سر چھوٹورام حکومت ہند کی حکمت عملی کے ہمیشہ مخالف رہے ہیں۔ حکومت کو ایک ایسے آدمی کی دیانتداری پر قطعی شبہ نہ کرنا چاہیئے جو حکومت کا سچا دوست ہے اور جس نے جنگی امداد کے لئے ملک کے بہترین لڑنے والے سپاہی سب سے زیادہ تعداد میں مہیا کئے ہیں چودھری صاحب کی رائے یہ رہی ہے کہ زرعی اجناس کی قیمتوں پر حکومت جو طرح طرح کی پابندیاں عاید کرتی رہی ہے اس سے صورت حال سدھرنے کے بجائے بگڑتی رہی ہے ع

"مرض بڑھتا گیا جوں جوں دوا کی"

مجھے سر چھوٹورام کی رائے سے اتفاق ہے اب میں تفصیل سے گذشتہ چند سال کے وہ واقعات بیان کروں گا جو موجودہ ابتری کے صحیح معنوں میں ذمہ دار ہیں۔

حکومت ہند کی مداخلت کے اثرات

نگرانی اشیاء کے سلسلہ میں حکومت نے جو پہلا قدم اٹھایا ہم اس قصے کو اس وقت شروع کرتے ہیں اعلان جنگ سے لے کر ستمبر ۱۹۴۱ء عیسوی تک۔

ملک میں غذا کی رسد کی کوئی مشکل نہ تھی۔ مجموعی طور پر ملک کی غذائی صورت حال نہایت تسلی بخش تھی سوائے اس کے کہ اور چیزوں کے دیکھا دیکھی خوردنی اجناس کی قیمتوں میں بھی اضافہ ہونا شروع ہو گیا تھا۔ لیکن پھر بھی یہ اضافہ درآمدی اشیاء کی قیمتوں کے اضافے کے مقابلے میں کم تھا۔

چند ایسے اسباب کی بناء پر جن کا علم صرف حکومت ہند کے ماہرین ہی کو ہے انہیں یک بیک گیہوں کے صارفین سے ہمدردی ہوگئی اور وہ یہ محسوس کرنے لگے کہ گیہوں کی قیمت کو بڑھنے سے روکنا چاہئے۔ حکومت نے اس امر کے متعلق مداخلت کرنیکا فیصلہ کر لیا اگر کوئی حکومت لوگوں کی معاشی زندگی میں مداخلت کرنے کی عادی رہی ہو تو ایسے حالات میں جبکہ کاشتکار منافع اٹھا تا رہے حکومت کی مداخلت مفاد عامہ کے پیش نظر صحیح اور درست متصور کی جاسکتی ہے لیکن گذشتہ دس سال کے طول عرصہ میں حکومت ہند یہ بالکل بھول گئی کہ ہندوستان کا کسان گذشتہ کساد بازاری کے دوران میں ایسی مشکلات سے گذر رہا تھا، جس کی مثال آسانی سے تاریخ عالم میں نہیں ملتی۔ زرعی اجناس کی قیمتوں میں ۵۰ فیصد کی حد تک کمی ہوگئی تھی کسان کو اجناس کی فروخت سے اتنی کم آمدنی وصول ہوتی تھی کہ اس سے اس کے مصارف پیدائش

بھی اچھی طرح نہیں نکل سکتے تھے دوسرے ممالک میں کسانوں کی مدد کرنے اور ان کو مالی امداد دینے کا رواج عام ہو رہا تھا۔ آسٹریلیا کی حکومت اپنے کاشتکاروں کو بیرونی منڈیوں میں گیہوں فروخت کرنے کے لئے مدد دے رہی تھی۔ آسٹریلیا کا گیہوں کلکتہ میں آکر فروخت ہو رہا تھا اور ادھر پنجاب کا گیہوں لائل پور میں پڑا سڑ رہا تھا کیونکہ کلکتہ سے لائل پور تک ریل کا کرایہ گیہوں کی گھٹی ہوئی قیمت کی وجہ سے ادا نہیں کیا جا سکتا تھا۔ حکومت ہند کی مقرر کردہ مرکزی بنک کاری کی تحقیقاتی کمیٹی نے اپنی رپورٹ میں لکھا ہے کہ آسٹریلیا سے کلکتہ تک گیہوں کا کرایہ چھ آنہ فی من تھا اور لائل پور سے لیکر کلکتہ تک ریل کا کرایہ ایک روپیہ تین آنے تین پائی فی من تھا۔

سنہ ۱۹۳۱ء زراعت کے لئے بہت ہی مشکلات کا سال تھا۔ ارباب ریلوے کے غیر ہمدردانہ رویہ نے ان مشکلات میں اور بھی اضافہ کر دیا۔ کرایوں کے متعلق ریلوے نے جو حکمت عملی اختیار کر رکھی تھی اس کی وجہ سے گیہوں پنجاب میں بیکار پڑا تھا لیکن کلکتہ نہ بھیجا جا سکتا تھا۔ حکام ریلوے اور حکومت پنجاب کا دروازہ بار بار کھٹکھٹایا گیا ان سے عرض و معروض کی گئی لیکن کوئی فوری نتیجہ برآمد نہ ہوا۔ ہم اپنا غلہ اپنے ہی ملک میں ایک حصے سے دوسرے حصے تک بھیجنے میں قاصر تھے،

اس کے برعکس دوسرے ممالک میں متحدہ طور پر غلہ باہر بھیجنے اور جہازوں کے کرایوں میں کمی کرنے کی تجویزیں عملی جامہ پہن چکی تھیں امریکہ میں ایک کارپوریشن گیہوں کی قیمت کے استحکام کے لئے قائم ہوئی جس کا مقصد بازاری قیمتوں سے زیادہ قیمت پر کاشتکار سے غلہ خریدنا تھا اس طرح امریکہ میں کسانوں کی مدد کے لئے کروڑوں ڈالر صرف کئے گئے۔ ع

بہ بیں تفاوت رہ از کجاست تا بہ کجا!

اب جبکہ جنگ کے دوران میں کسان کو یہ موقع ملا تھا کہ وہ تھوڑا سا روپیہ کما کر اپنے گذشتہ نقصانات کی کچھ تلافی کر سکے تو حکومت قیمت پر پابندی عاید کر کے اس کو اپنے جائز حق سے محروم رکھنا چاہتی تھی۔ یہ اگست سنہ ۱۹۴۱ء کا ذکر ہے ہمیں یہ بھی یاد رکھنا چاہئیے کہ اس وقت کسی دوسری چیز کی قیمت پورے ہندوستان بھر کے لئے مقرر نہیں کی گئی تھی (سوائے چند جرمن ادویات کے جن کا ایک بڑا ذخیرہ جرمن تاجروں کے ہندوستان میں قید کر لینے سے حکومت ہند کے ہاتھ لگا تھا) جس نگرانی قیمت کی کانفرنس میں گیہوں کی قیمت کی نگرانی کے مسئلہ پر غور کیا گیا تھا اس میں سر چھوٹو رام نے نہایت کھلے الفاظ میں یہ بتادیا تھا کہ ان کا صوبہ جو سب سے زیادہ گیہوں پیدا کرنے اور برآمد کرنے والا صوبہ ہے وہ اس منزل پر گیہوں کی قیمت کو قابو میں لانے کے لئے

کسی طرح رضامند نہیں ہو سکتا کیونکہ ان کی رائے میں گیہوں کی قیمت
ابھی تک اتنی زیادہ نہیں جسے کسان کے نقطۂ نظر سے منفعت بخش
کہا جا سکے بالخصوص ان حالات کے پیش نظر جبکہ گذشتہ کساد بازاری
کی وجہ سے گیہوں کی قیمت معمولی قیمت سے زیادہ گری رہی تھی اور کسانوں
کو بہت زیادہ نقصان پہنچ چکا تھا۔ حکومت ہند نے باوجود اس شدید
احتجاج کے جو ایک ایسے نمایندے کی طرف سے کیا گیا تھا جو عوام کا
منتخبہ تھا اور ایسے صوبے کا نمایندہ بھی تھا جو اس فیصلہ سے سب سے
زیادہ متاثر ہونے والا تھا، اس کے احتجاج کو بالکل نظرانداز کر دیا اور اس
بات کا فیصلہ کر دیا کہ گیہوں کی قیمت اہم منڈیوں میں چار روپیہ
چھ آنے فی من مقرر کر دی جائے۔ کسانوں اور تاجروں کے نمائندوں
نے حکومت ہند کے اس فیصلہ کے خلاف صدائے احتجاج بلند کی
اور کہا کہ یہ قیمت مناسب نہیں ہے۔ کاشتکار اس قیمت پر اس
لئے خوش نہ تھا کہ اس کی رائے میں یہ قیمت اس کیلئے منافع بخش نہ
تھی تاجر اس لئے خلاف تھے کہ وہ اس سے زیادہ قیمت پر سودا
کر چکے تھے اور گیہوں خرید چکے تھے اور وہ حکومت ہند کے مقرر کردہ
نرخ پر فروخت کر کے نقصان اٹھانے کے لئے تیار نہ تھے۔ حکومت ہند
سے اس بات کا مطالبہ کیا گیا کہ وہ اپنے فیصلے پر نظرثانی کر کے گیہوں کی

مقررہ قیمتوں کو کچھ اور بڑھا رہے۔ حکومت ہند نے نہ صرف ان مفروضوں کو نظر انداز کر دیا بلکہ نہایت ہی شدّ و مد کے ساتھ اس امر کا بھی اعلان کر دیا کہ وہ قیمت بڑھانے کے لئے ہرگز تیار نہیں ہے اور اس نے اس بات کا تہیّہ کر لیا ہے کہ اپنی مقرر کردہ قیمت (یعنی ۰-۶-۴ روپیہ) کو ہی ملک میں رائج رکھے گی۔

مقررہ قیمت کو بحال رکھنے میں حکومت ہند کی ناکامی

حکومت ہند نے یک لخت ہی گیہوں کی انتہائی قیمت مقرر کرنے کا فیصلہ کیا تھا اور غالباً یہ فیصلہ ان صوبوں کے نمائندوں کی خواہش، اصرار یا مفاد کے پیش نظر کیا گیا تھا جہاں گیہوں کی پیداوار کم ہوتی ہے اور صرفہ زیادہ۔ لیکن حکومت نے اپنے منصوبے کو نافذ کرنے کیلئے پہلے سے ضروری انتظامات نہ کئے تھے۔ کسی حکومت کی ملک کے خلاف سب سے بدترین خدمت یہ ہوتی ہے کہ وہ کوئی قانون منظور کرے لیکن اس کو پوری طرح نافذ نہ کر سکے اگر قانون کی بے احترامی کا جذبہ ایک دفعہ پیدا ہو جائے تو اس سے پھر اور ایسی قوتیں نشو و نما پانے لگتی ہیں جن کا نتیجہ بہت ہی برا نکلتا ہے۔ قانون کی بے احترامی کی وجہ سے تمام نظم و نسق متاثر ہوتا ہے اور یہ بے احترامی کئی نئے شگوفے کھلاتی

حکومت ہند نے ایک قانون کے ذریعے گیہوں کی قیمت ۴-۶-۰
روپیہ فی من مقرر کی تھی نہ تو اس نے پہلے سے اس قانون کو نافذ کرنے
کے انتظامات کئے تھے۔ اور نہ ہی اس کے پاس ایسے ذرائع تھے،
جن کے ذریعہ اس کے احکامات کی پوری پوری تعمیل ہو سکتی۔ گیہوں
کی قیمت پر قابو رکھنے کے لئے یہ ضروری تھا کہ پہلے سے ہی گیہوں
کا ایک کثیر ذخیرہ جمع کیا جاتا حکومت نے ایسا کوئی ذخیرہ جمع نہ کیا تھا
اگر حکومت کے پاس گیہوں کا مناسب ذخیرہ موجود ہوتا اور جب وہ دیکھتی
کہ تاجر اس کی مقررہ قیمت پر گیہوں فروخت نہیں کرتے، تو وہ وقتاً فوقتاً
خود بازار میں گیہوں فروخت کرتی جس سے بالراست بازار متاثر ہوتا
اور تاجر بھی اس کی پیروی پر مجبور ہو جاتا یہ طریقہ کم سے کم مزاحمت کا
تھا جس کی نوعیت معاشی تھی جو عملی طور پر سب سے زیادہ آسان اور معاشی
زندگی میں کم سے کم مداخلت کا طریقہ تھا لیکن بدقسمتی سے حکومت یہ
حربہ استعمال نہ کر سکتی تھی کیونکہ اس کے پاس ذخائر موجود نہ تھے۔ معاشی
نگرانی کی عدم موجودگی میں حکومت کے لئے دوسرا چارہ کار یہ تھا کہ
وہ سیاسی اختیار اور انتظامی دباؤ کو کام میں لاتی لیکن حکومت یہ طریقہ
بھی پورے طور پر استعمال نہ کر سکتی تھی کیونکہ موجودہ دستور کی رو سے
قیمتوں کی نگرانی صوبجاتی حکومتوں کے تفویض ہے۔ وہ صوبجاتی

حکومتیں جہاں گیہوں کم پیدا ہوتا ہے، خواہ گیہوں کی مقررہ قیمت کے نفاذ کے لئے حکومت ہند سے کتنا ہی تعاون کیوں نہ کرتیں اس میں کامیاب نہیں ہو سکتی تھیں کیونکہ ان کے پاس کافی گیہوں نہ تھا گیہوں پنجاب سے آتا تھا اور پنجاب کی حکومت اس قانون کو پوری طرح نافذ کرنے کے لئے دل سے حامی نہ تھی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ صورت حال بد سے بدتر ہوتی گئی۔ پہلے تو صارفین صرف بڑھی ہوئی قیمت کی شکایت کرتے تھے لیکن اب باوجود بڑھتی ہوئی قیمت پیش کرنے کے بھی ان کو گیہوں آسانی سے عام دوکانوں سے نہیں ملتا تھا۔

گیہوں کی رسد بتدریج کم ہونے لگی اور لوگوں کی مشکلات روز بروز زیادہ تر بڑھنے لگیں۔ گیہوں اور آٹے کی عام دوکانیں روز بروز کم ہونے لگیں اور ان کے بجائے سرکاری غلہ کی دوکانیں نمودار ہونے لگیں۔ ان سرکاری دوکانوں پر گیہوں کے خواہشمندوں کی تعداد دن بدن بڑھنے لگی۔ خریداروں اور تماشائیوں کا ہجوم ترقی کرنے لگا اور ان دوکانوں پر بھیڑ کا وہی عالم ہونے لگا جو میلوں اور جاتروں کے موقع پر تیسرے درجہ کے ٹکٹ گھروں میں دیکھنے میں آتا ہے۔ لوگوں کی مشکلات بڑھنے لگیں وقت خوب ضائع ہونے لگا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ چور بازار ترقی کرنے لگے کیونکہ یہاں

گیہوں بغیر وقت ضائع کئے آسانی سے دستیاب ہو سکتا تھا اگرچہ قیمت زیادہ ادا کرنی پڑتی تھی۔ اس مسئلہ میں حکومت ہند کی ناکامی کا اس امر سے بخوبی اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ حکومت ہند کے صدر مقام پر حالت تمام ہندوستان سے بدتر تھی۔ دہلی جو دو سب سے بڑے گیہوں پیدا کرنے والے صوبوں (پنجاب اور صوبہ متحدہ) کے قریب واقع ہے اور جہاں خود بھی گیہوں کی پیدائش کافی ہوتی ہے وہاں حالت سب سے بدتر تھی۔ سچ ہے "چراغ تلے اندھیرا"

اگر حکومت ہند دہلی جیسے چھوٹے علاقہ میں جو ایک طرح براہ راست اس کے تحت ہے صورت حال پر قابو پانے سے قاصر رہی، اور دہلی ایک ایسا علاقہ ہے جو خود کثیر مقدار میں گیہوں پیدا کرتا ہے (اور ملک کے دو بیشترین گیہوں پیدا کرنے والے صوبوں کے قریب واقع ہے) تو پھر یہ کس طرح امید کی جا سکتی تھی کہ وہ دوسرے علاقوں کے حالات پر قابو پا سکتی تھی۔

نگرانی قیمت کی پہلی ناکامی

حکومت ہند کو آخر اعتراف شکست کرنا پڑا۔ حالات اور واقعات نے انہیں مجبور کر دیا کہ وہ اپنے پرزور دعوے واپس لے لیں انہوں نے

نہایت شدّ و مد سے کہا تھا کہ ہم کسی صورت میں بھی مقررہ قیمت میں اضافہ کرنے کے لئے تیار نہیں ہیں اور ہم اسی قیمت کو برقرار رکھیں گے

دہلی میں غذا کی جو ابتر حالت تھی اور شمالی ہند کے بڑے بڑے شہر جس میں مبتلا تھے ان کے حالات نے حکومت ہند کو مجبور کر دیا کہ قیمت ۔۔ ۶ - ۴ روپے سے بڑھا کر پانچ روپیہ کر دے۔

یہ ایک عجیب بات ہے کہ گیہوں کی قلت سب سے زیادہ شمالی ہند کے شہروں میں محسوس کیگئی حالانکہ اسی علاقہ میں گیہوں سب سے زیادہ پیدا ہوتا ہے اس کے برعکس ہندوستان کے دیگر حصوں میں جو بالعموم اپنی ضروریات کی حد تک بھی کافی گیہوں پیدا نہیں کرتے وہاں صورت حال ایسی بری نہ تھی یہ بھی ایک ستم ظریفی ہے دہلی جو گیہوں پیدا کرنیوالا علاقہ ہے اس نگرانی قیمت کے زمانہ میں وہاں گیہوں تو آسانی سے دستیاب نہ ہو سکتا تھا لیکن چاول جو اس علاقہ میں پیدا نہیں ہوتا جس کی ملک میں مجموعی طور پر بھی کمی تھی لیکن اس پر نگرانی نہ تھی وہ آسانی سے دستیاب ہو رہا تھا اور لوگوں کو مجبوراً گیہوں کے بجائے چاول کا استعمال کرنا پڑ رہا تھا۔

حکومت ہند کی گیہوں کی پہلی مقرر کردہ قیمت (روپے ۴ - آنے ۶ - ۰) کو برقرار رکھنے میں ناکامی اور پھر باوجود اپنے پرزور اعلانات کے

وہ جب قیمت بڑھانے کے لئے تیار ہو گئی تو اس سے آئندہ امیدوں کے دروازے کھل گئے۔ کسانوں اور تاجروں نے جب دیکھا کہ ان کی چھ ماہ کی روک تھام اور ذخیرہ اندوزی حکومت کو اپنے سابقہ اعلانات کے باوجود قیمت کے بڑھانے کے لئے مجبور کر سکتی ہے تو پھر کیا وجہ ہے کہ اگر کچھ عرصہ اور وہ اپنے ذخیروں کو تھامے رکھیں اور اپنے تقاضوں کی شدت کو پہلے سے کچھ زیادہ زور سے بڑھا دیا تو حکومت پھر کیوں نہ جھک جائے اور قیمت میں پھر مزید اضافہ کر دے؟

میری یہ قطعی رائے ہے کہ اگر حکومت ہند پہلے ہی سے گیہوں کی قیمت ۱۴ ۴ کی بجائے پانچ روپیہ فی من مقرر کر دیتی جو پنجاب یقیناً مان لیتا اور اُس قیمت کا نفاذ سختی سے کرتے ہوئے قصورواروں کو سخت سزائیں دیتی تو شاید موجودہ صورت حال پیدا ہی نہ ہوتی۔

یہ نہایت ہی بدقسمتی کی بات ہے کہ گیہوں کی قیمت میں جو نیا اضافہ کیا گیا یہ اس وقت عمل میں آیا جبکہ حکومت ہند کی افراط زر کی پالیسی نے رنگ لانا شروع کیا تھا اور قیمتیں ماہ بماہ نہایت سرعت سے بڑھنے لگیں تھیں۔ اس زمانہ میں دوسری اشیاء کی قیمتیں بہت

بڑھ گئیں تھیں اکتوبر یا نومبر ۱۹۴۳ء تک کپڑے کی قیمت پہلے سے تگنی ہو گئی تھی اور دوسری ضروریات زندگی کی قیمتیں بھی دن دوگنی اور رات چوگنی ہو رہی تھیں ان حالات میں کاشتکار جس کے مصارف پیدائش اور مصارف رہائش میں اضافہ ہو رہا تھا وہ گیہوں کی نئی معمولی بڑھی ہوئی قیمت سے مطمئن نہ تھا اصل واقعہ تو یہ ہے کہ کہ باوجود گیہوں کی قیمت کے اس اضافہ کے اس کی حالت پہلے سے کہیں زیادہ خراب ہو رہی تھی اور وہ اب پہلے سے بھی زیادہ گھاٹے میں تھا کیونکہ اب اس کی ضروریات زندگی کی چیزیں بہت مہنگی ہو گئی تھیں۔ ان حالات میں کاشتکار حکومت کی مقررہ قیمت پر آسانی سے گیہوں فروخت کرنے کیلئے تیار نہ تھے۔

صارفین جن کو گیہوں کی ضرورت تھی ان کو عام دوکانوں سے گیہوں ملتا نہیں تھا عام دوکاندار جو پہلے گیہوں یا آٹے کی تجارت کرتے تھے انہوں نے دوکانوں پر گیہوں یا آٹا رکھنا بالکل بند کر دیا تھا کیونکہ ان کو کاشتکاروں سے حکومت کی مقررہ قیمت پر گیہوں نہیں ملتا تھا۔ اگر وہ زیادہ قیمت دیتے تو ان کو گیہوں مل سکتا تھا اور عام حالات میں وہ زیادہ قیمت دینے کے لئے تیار بھی ہو جاتے لیکن حکومت کے قوانین نے ان کے ہاتھ باندھ رکھے تھے، وہ

حکومت کے مقررہ نرخوں سے زیادہ داموں پر اسے فروخت نہ کر
سکتے تھے چنانچہ مجبوراً انہوں نے یہ کام ہی بند کر دیا اور عام دوکانوں
پر گیہوں اور آٹے کی تجارت ختم ہونے لگی اور ایسی دکانوں کی تعداد
کم ہوتے ہوتے بالکل برائے نام رہ گئی۔ اور ان کی جگہ غلہ کی سرکاری
دوکانیں" کھلنے لگیں، جنہیں شمالی ہند میں عوام "ڈپو" کہتے ہیں،
حکومت ڈپوؤں کو اپنے مقررہ نرخوں پر آٹا دیا کرتی تھی۔ عوام کو
اس صورت حال سے جو تکلیف ہوتی تھی اس کا اندازہ اس امر سے لگایا
جا سکتا ہے کہ جہاں پہلے غلہ کی سو دوکانیں تھیں وہاں زیادہ
سے زیادہ چار پانچ ڈپو کھلتے تھے۔ اس اثناء میں ملک کی معاشی
حالت بہتر ہو رہی تھی۔ تجارت و حرفت ترقی کر رہی تھی۔ جنگ
کی وجہ سے کاروبار چمک اٹھے تھے۔ بیکاری ملک سے دور ہو رہی
تھی اور مزدوروں کو خوب کام مل رہا تھا ان کی اجرتیں بڑھنے
لگیں تھیں۔ لیکن مزدوروں کے لئے ایک اور مشکل صورت پیدا
ہو گئی تھی اگر وہ کام پر جاتے تھے تو ان کو آٹا نہیں مل سکتا تھا کیونکہ
آٹا صرف سرکاری ڈپوؤں پر ہی ملتا تھا اور یہ ڈپو بہت ہی کم
وقت کے لئے کھلتے تھے اور وہاں وہ جم غفیر ہوتا تھا کہ الامان،
دن بھر لوگوں کو کھڑے رہنا پڑتا تھا اور پھر بھی ضروری نہ تھا

کہ وہ کامیابی کا منہ دیکھیں ڈپوؤں سے آٹا حاصل کرنے میں مزدوروں کا
تمام وقت ضائع ہو جاتا تھا۔ مزدور اگر آٹا خریدتا تھا تو وہ اس روز
کام پر نہیں جا سکتا تھا اور جس روز کام پر جاتا تھا اس روز اسے آٹا
نہیں مل سکتا تھا یہ یاد رہے کہ ان سرکاری دوکانوں پر بیک وقت
صرف چار یا آٹھ آنے کا آٹا ملتا تھا جو ایک آدھ دن کے لئے ایک خاندان
کے لئے بس ہوتا تھا۔ ان حالات میں وہ مزدور اور دیگر پیشہ ور اور
کم استطاعت لوگ جنہیں مستقل کام ملے ہوئے تھے وہ اس بات کو
زیادہ پسند کرتے تھے کہ کام سے ناغہ نہ کریں اور اگر کچھ زیادہ دام دیکر
انہیں کہیں سے آٹا مل سکے تو خرید لیں کیونکہ ایسا کرنے سے بالآخر
وہ پھر بھی زیادہ فائدے میں رہتے تھے کیونکہ انہیں دن کی اجرت
سے ہاتھ دہونا نہیں پڑتا تھا۔ اس صورت حال کا نتیجہ یہ ہوا کہ
ایسے اشخاص کی ضروریات کو پورا کرنے کے لئے گیہوں اور آٹا بازار
سے بڑھتی ہوئی قیمت پر چوری سے ادھر اُدھر فروخت ہونے لگا۔
ایسے بازار کو چور بازار کہا جاتا ہے؟
ایسے بازار روز بروز ترقی کرنے لگے کیونکہ دوسرے متوسط
طبقہ کے لوگ جو اپنی عزت کی کچھ بڑھ کر دام دینے کے مقابلہ میں
زیادہ پرواہ کرتے تھے ایسے بازاروں کے گاہک بن رہے تھے۔

ڈیپوؤں پر شرفا کی جو گت بنتی تھی اور دھکم دھکا کی حالت ہوتی تھی وہ صرف دیکھی جا سکتی ہے الفاظ میں اس کی تصویر کھینچنا آسان نہیں۔ یہاں بر سبیل تذکرہ ان لوگوں کی واقفیت کے لئے جو یہ سمجھتے ہیں کہ ہندوستان ایک ایسا ملک ہے کہ ہر گھرانے میں نوکروں کی فوجیں موجود رہتی ہیں یہ بتا دینا چاہتا ہوں کہ ملک میں نوکروں کی ایسی افراط نہیں، جیسا کہ وہ سمجھتے ہیں۔ شمالی ہند کے اوسط درجہ کے گھرانوں میں ایک آدھ نوکر سے بڑھ کر زیادہ آدمی نہیں ہوتے جو دن بھر ڈیپوؤں میں مارے مارے پھر سکیں نوکروں کا ملنا تو آجکل اچھے اچھے گھرانوں کے لئے مشکل ہو رہا ہے۔

خوش حال طبقہ کے لوگ بھی چور بازاروں کے مربی بن رہے تھے کیونکہ ان کو اپنی ضرورت کی چیزیں آسانی سے دستیاب ہو رہی تھیں اور وہ تاجروں کی بڑھتی ہوئی قیمت دینے کے لئے تیار تھے ادھر جب تاجروں کا مال آسانی سے فروخت ہونے لگا اور ان کی جیب گرم ہونے لگی تو ان کے حوصلے بھی بڑھ گئے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ بہت وسیع چور بازار قائم ہونے لگے اور یہاں کافی...... خرید و فروخت ہونے لگی۔ چونکہ ان بازاروں میں مال پہلے دکھا کر اور علی الاعلان فروخت نہیں ہوتا بلکہ حاطے چھپکے سے اور بالعموم پیر

شام ہوتے ہیں اس عنوان کو چور بازار کہتے ہیں۔

صورت حال کی ستم ظریفی بھی ملاحظہ فرمایئے کہ ان چور بازاروں کے گاہک خود حکومت ہند کے اکثر ملازمین تھے جو یہاں سے گیہوں اور آٹا خرید تے تھے۔ یہ بات اور بھی عجیب معلوم ہو گی اگر میں بیان کروں کہ خود حکومت بالواسطہ طریق سے ان چور بازاروں کی گاہک تھی۔ ظاہراً یہ حکومت پر بہت بڑا الزام معلوم ہوتا ہے۔ لیکن یہ امر واقعہ ہے جس سے خود حکومت انکار نہیں کر سکتی۔ کہ فوجی ضروریات کے لئے غلہ حکومت کے مقرر کردہ نرخوں سے زیادہ دام دیکر گلہ داروں سے خریدا گیا۔ محکمہ رسد فوج نے ۱۴ اور ۱۷ روپیہ کے گیہوں کے ٹنڈر منظور کئے حالانکہ حکومت کا مقررہ نرخ صرف پانچ روپے فی من تھا۔

جب کاشتکاروں اور تاجروں نے دیکھا کہ حکومت بالواسطہ طریقہ سے خود اپنی مقررہ قیمت سے بڑھکر قیمت دے رہی ہے تو ان کے حوصلے اور بھی بڑھ گئے اور وہ اپنا مال فروخت کرنے کے لئے اور بھی تساہل برتنے لگے اور صورت حال نہایت سرعت سے خراب ہونے لگی۔ صارفین کی حالت بد سے بدتر ہونے لگی۔ گیہوں کے لئے بازاروں سے بالکل غائب ہو گیا اور حکومت کے مقررہ

نرخ پر اس کا ملنا سوائے سرکاری دوکانوں کے جہاں بیک وقت دن بھر ضائع کرنے سے چار آٹھ آنے کا آٹا ملتا تھا) محال ہو رہا تھا چور بازاروں کی قیمت دن بدن بڑھ رہی تھی اور بڑے بڑے شہروں میں حالت واقعی بہت زیادہ خراب ہوگئی تھی سب سے بدتر حالت حکومت ہند کے صدر مقام کی تھی۔ بدقسمتی سے انہی ایام میں سرکاری کمیٹیوں میں شرکت کے سلسلہ میں مجھے کئی ایک مرتبہ دہلی جانیکا اتفاق ہوا اور یہ میں ہی جانتا ہوں کہ مجھے کیسی بری چپاتیاں وہاں کھانے کو نصیب ہوئیں جن میں گیہوں کم اور دیگر ملاوٹیں بہت زیادہ تھیں۔

گیہوں کی قیمت کی نگرانی کی اسکیم کے بنیادی نقائص

اگر فاضل غذا پیدا کرنے والے صوبے حکومت ہند کے احکامات کو پوری طرح مان بھی لیتے اور اُن کے ساتھ دلی طور پر تعاون کرنے کے لئے آمادہ بھی ہو جاتے، پھر بھی نگرانی قیمت میں پوری کامیابی حاصل نہ ہوتی۔ آخر یہ کیوں؟ کیونکہ حکومت کی نگرانی کی اس اسکیم میں بنیادی معاشی نقص تھا۔ یہ بنیادی معاشی نقص کیا تھا؟ یہ بنیادی معاشی نقص یہ تھا کہ حکومت نے صرف گیہوں کی قیمت مقرر کی تھی اور اس کی دوسری تمام متبادل اجناس کو بالکل آزاد چھوڑ دیا

تھا۔ چاول گیہوں کا آسانی سے بدل ہو سکتا ہے۔ شمالی ہند کے بہت سے حصوں میں مکئی، باجرہ اور چنا گیہوں کے بدل کے طور پر استعمال ہوتے ہیں۔

جب گیہوں کی قیمت پر نگرانی قائم کی گئی تو یہ کھلے بازاروں میں کم دستیاب ہونے لگا۔ اس لئے غریب غربا گیہوں کے دوسرے بدل خریدنے کے لئے مجبور ہونے لگے جو بالعموم گیہوں سے کم داموں پر دستیاب ہوتے ہیں۔ چونکہ گیہوں کی مقدار کھلے بازاروں میں کم ہو رہی تھی اس لئے صارفین کی ایک بڑھتی ہوئی تعداد گیہوں کے دوسرے گھٹیا بدل خریدنے لگی جس کی وجہ سے ان کی قیمت میں اضافہ ہونے لگا۔ ان متبادل اجناس کی کمی اس لئے بھی ہو رہی تھی کہ حکومت کو کھلے بازاروں میں گیہوں آسانی سے دستیاب نہیں ہو رہا تھا۔ اس لئے سرکاری دکانوں پر جو آٹا فروخت ہوتا تھا اس میں حکومت دوسرے گھٹیا اناجوں کی ملاوٹ کرنے لگ گئی تھی۔ اس آٹے میں باجرے مکئی اور چنے کی آمیزش کی جاتی تھی۔ سرکاری دکانوں کی بڑھتی ہوئی مانگ کی وجہ سے ان گھٹیا اناجوں کی طلب روز افزوں بڑھنے لگی۔ جس کا لازمی نتیجہ یہ ہوا کہ ان کی قیمت میں بھی اضافہ ہوتا گیا۔ جب گیہوں کی سرکاری قیمت اور چور بازار کی قیمت

میں نمایاں فرق ہونے لگا اور چور بازار میں گیہوں کی قیمت سرکاری مقررہ قیمت سے بہت زیادہ بڑھ گئی۔ چور بازار کے گیہوں کی قیمت کے تناسب سے ان گھٹیا اناجوں کی قیمت میں بھی اضافہ ہونے لگا۔ چونکہ ان اجناس کی قیمت پر سرکاری طور پر کسی قسم کی نگرانی نہ تھی۔ اس لئے ان کی قیمت علی الاعلان بڑھنے لگی۔ اور اس کے متعلق حکومت نے کوئی کارروائی نہ کی۔ حکومت کی اس عدم مداخلت کی وجہ سے اور ان گھٹیا اناجوں کی قیمت مقرر نہ کرنے کے سبب سے صورت حال زیادہ خراب ہو گئی گیہوں کے وہ بدقسمت کاشتکار جنہوں نے حکومت کے ساتھ تعاون کیا تھا اور اپنا غلہ سرکاری مقررہ قیمت پر فروخت کر دیا تھا۔ اب وہ کف افسوس مل رہے تھے اور سخت برہم ہو رہے تھے اور بجا طور پر برہم ہو رہے تھے کیونکہ وہ دیکھ رہے تھے کہ گھٹیا اناج پیدا کرنے والے کھلے بندوں کسی مزاحمت اور روک ٹوک کے بغیر گیہوں جیسے بڑھیا اناج کی قیمت کے مقابلہ میں کہیں زیادہ قیمت وصول کر رہے ہیں اور ہاتھ رنگ رہے ہیں اور یہ ایماندار گیہوں کے کاشتکار جنہوں نے حکومت کے ساتھ تعاون کیا تھا وہ اس بہتی گنگا میں ہاتھ نہ دھو سکے۔ یہاں یہ ذکر کر دینا ضروری معلوم ہوتا ہے کہ گیہوں کی سرکاری مقررہ قیمت

صرف ۵ روپیہ فی من تھی اور مکئی باجرہ وغیرہ کھلے بازار میں بے روک ٹوک آٹھ روپیہ فی من تک فروخت ہو رہے تھے۔ قیمتوں میں اتنا زیادہ تفاوت، گھٹیا اناجوں کی قیمت پر نگرانی قائم نہ کرنے اور حکومت کے تساہل کی وجہ سے عوام اس بات پر مجبور ہو گئے کہ وہ گیہوں کی فروخت کو روک دیں اور اس کا ذخیرہ کریں۔

صارفین اور ذخیرہ اندوزی

صارفین جو معاشرے کا سب سے بڑا لیکن سب سے کم منظم اور کم آواز گروہ ہے ان پر غذائی ابتری کی تمام تر ذمہ داری ڈال دی گئی اور انہیں قربانی کا بکرا بنا دیا گیا اور ہر طرف سے انہی پر لے دے ہونے لگی ہے۔

"ونیشنل وار فرنٹ" نے ان کے خلاف ایک باضابطہ مہم شروع کی اور ذخیرہ کرنے والوں کو معاشرہ کا بدترین دشمن گردانا۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ ذخیرہ اندوزی کی وجہ سے غذائی صورت حال بہت بری طرح متاثر ہوتی تھی کیونکہ غلہ کی گردش میں کمی ہو جانے کی وجہ سے اس کی تقسیم مناسب طریق سے نہیں ہو سکتی تھی اور ملک کو سخت نقصان پہنچ رہا تھا اور یہ نقصان ایک لحاظ سے ذخیرہ

کرتے والے خود سب سے زیادہ برداشت کر رہے تھے کیونکہ غلہ ذخیرہ
کرنے سے اکثر خراب ہو جاتا ہے گیہوں کو بہت جلد گھن لگ جاتا ہے
بڑی بڑی ملیں جہاں آٹا پیسنے کی خاطر گیہوں کا ذخیرہ کیا جاتا ہے وہاں
یہ اندازہ لگایا جاتا ہے کہ انہیں دس سے لیکر چالیس فیصد تک نقصان
ہوتا ہے جب بڑے بڑے کارخانوں میں نقصان کا یہ حال ہے جہاں
کہ ذخیرہ اندوزی کی سہولتیں خاص طور پر احتیاط سے مہیا کی جاتی ہیں
تو عوام کے نقصانات کا اندازہ خود بخود لگایا جا سکتا ہے جن کو ویسی
آسانیاں اور بہتریں میسر نہیں ہوتیں۔ ایک ایسی جنس جس کی ملک میں پہلے
سے ہی قلت محسوس ہو رہی ہو اس کا اس قدر نقصان کرنے پر کیا ہم
ذخیرہ کرنے والوں کو مورد الزام ٹھیرانے میں حق بجانب ہیں ؟ نہیں
بلکہ میں تو ان کی حمایت کے لئے تیار ہوں میری رائے یہ ہے کہ
ہم حق بجانب نہیں ہیں۔ قانون تحفظ ہند کی کڑی دفعات کے
باوجود بھی میں یہ کہنے کے لئے تیار ہوں کہ ہم ان صارفین کو جو
اپنی جائز ضروریات کے لئے ذخیرہ کر رہے تھے اس طرح نشانۂ
ملامت بنانے میں حق بجانب نہیں ہیں۔ میں یہاں ان ذخیرہ کرنے
والوں یا سٹہ بازوں کی حمایت نہیں کر رہا ہوں جو دوسروں کی مصیبت سے
فائدہ اٹھا کر اپنے ہاتھ رنگتے ہیں اور جو موجودہ حالت کے

زیادہ تر ذمہ دار ہیں، ایسے لوگوں کو پوری پوری سزا ملنی چاہیئے لیکن ان لوگوں کا معاملہ بالکل مختلف ہے جو اپنی اور اپنے بال بچوں کی ضروریات کو پورا کرنے کے لئے ذخیرہ کر رہے تھے۔ ہم ان کو اس وقت مورد الزام ٹھہرا سکتے ہیں جبکہ ہم ان کو اس بات کا پورا پورا یقین دلا چکے ہوں کہ جو ہو سو ہو ملک پر خواہ کتنی ہی مصیبت نازل کیوں نہ ہو حتیٰ کہ دشمن کا خدانخواستہ اگر حملہ بھی ہو جائے تو حملہ کے دوران میں بھی ان کی جائز ضروریات کو پورا کرنے کے لئے غلہ انہیں ملتا رہے گا۔

یہ ضروری ہے کہ ان کو غذا کی اتنی مقدار بہم پہنچائی جائے جو حقیقی طور پر ان کی جائز ضروریات کو پورا کر سکے۔ اس مقدار کا اندازہ ماہرین غذا اور طب کے مشورہ سے ہونا چاہیئے کہ کتنے غذائی حرارے ایک اوسط درجے کے آدمی کے لئے ضروری ہیں۔ غذا کی تقسیم لوگوں کی ضروریات کے لحاظ سے ہو نہ کہ ان کی آمدنی یا رسوخ کے لحاظ سے اگر حکومت صارفین کو ایسی گارنٹی نہیں دے سکتی اور اس طرح کا پختہ یقین نہیں دلا سکتی تو حکومت ذخیرہ اندوزی کو روکنے میں کبھی پورے طور پر کامیاب نہیں ہو سکتی۔

اس بارے میں حکومت کا رویہ (سوائے حالیہ رویہ کے) انتہائی

ہی مبہم غیر مستقل اور اکثر متضاد رہا ہے ۔ حکومت ذخیرہ کرنے کے خلاف پروپگنڈہ کر رہی ہے ۔ فرض کیا کہ کچھ خاندانوں نے اس پروپگنڈے سے متاثر ہو کر غلہ کا ایک دانہ تک ذخیرہ نہ کیا تھا۔ ان خاندانوں کا ستمبر ۱۹۴۲ء سے لیکر دسمبر تک کیا حشر ہوتا جبکہ پنجاب کے اکثر و بیشتر بڑے بڑے شہروں کے کھلے بازاروں میں گیہوں کا ایک تولہ تک دستیاب نہ ہو سکتا تھا؟ حکومت نے ایسے خاندانوں کو گیہوں کی مناسب مقدار مہیا کرنے کے لئے کیا انتظامات کئے تھے؟

ہندوستان کے بعض حصوں میں گیہوں کی راشن بندی کی گئی تھی لیکن لوگوں کو گیہوں ان کی ضروریات کے لحاظ سے نہیں بلکہ ان کی تنخواہ یا آمدنی کے لحاظ سے دیا جاتا تھا۔ میں حکومت کی اس پالیسی کے نقائص کو اپنی ذاتی مثال سے واضح کرتا ہوں۔ مجھے اپنے خاندان کے پانچ افراد کے لیے تیس سیر گیہوں کا راشن دیا گیا تھا۔ میں نے راشنیں کنٹرولر صاحب کو لکھا کہ چونکہ میرا تعلق شمالی ہندوستان سے ہے اور میں چپاتی کھانے کا عادی ہوں اور چاول میری غذا نہیں ہے اس لئے گیہوں کا یہ راشن میری ضروریات کو پورا کرنے کے لیے قطعی ناکافی ہے اسلئے میرے راشن میں اضافہ کیا جائے ۔

اس درخواست میں میں نے یہ بھی لکھا تھا کہ میں اس بات کی آپکو تحریر دینے کے لئے تیار ہوں کہ اگر آئندہ کسی منزل پر چل کر حیدرآباد میں چاول کی راتب بندی کی جائے تو میں چاول کے راتب کا مطالبہ نہیں کروں گا اور اس سے ابھی سے دست بردار ہونے کے لئے تیار ہوں - میری رائے میں میری یہ درخواست نہایت معقولیت پر مبنی تھی انگلستان میں جو لوگ گوشت نہیں کھاتے اور گوشت کے راتب سے دست بردار ہوتے ہیں ان کی اس کمی کو پورا کرنے کے لئے دوسرے لوگوں کے مقابلہ میں انہیں مکھن کا راتب زیادہ دیا جاتا ہے لیکن مجھے افسوس سے تحریر کرنا پڑتا ہے کہ میری اس نہایت معقول اور واجبی درخواست کو درخور اعتنا نہ سمجھا گیا*

حیدرآباد میں راتب بندی تو کردی گئی تھی لیکن راتب بندی کرنے والوں کے پاس گیہوں کا کافی ذخیرہ موجود نہ تھا اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ چند ماہ کے بعد میرا راتب لصف کر دیا گیا اور مجھے

* مجھے یقین ہے کہ میں یہاں حکومت کا کوئی راز افشا نہیں کر رہا ہوں اگر میں یہ بیان کردوں کہ حیدرآباد کی مجلس نگرانی اشیاء کا جب میں رکن تھا تو میں اس قسم کی راتب بندی کے خلاف تھا - اور یہ رائے میں نے مجلس کے سامنے پیش کردی تھی -

تیس سیر کے بجائے صرف پندرہ سیر گیہوں ملنے لگے۔ اس کا اندازہ آپ خود فرما سکتے ہیں۔ کہ

ایک خاندان کے لئے جو پانچ افراد پر مشتمل ہو اور جس کے ہاں دن میں تین مرتبہ کھانے پر گیہوں کا ہی استعمال ہوتا ہو وہاں پندرہ سیر گیہوں کتنے روز تک کام دے سکتے ہیں۔ ان حالات میں کیا کوئی شخص مجھے ذخیرہ کرنے پر مطعون کر سکتا ہے؟

اگر ہم ہندوستان کا مقابلہ انگلستان سے کریں تو ہمیں اور بھی زیادہ افسوس ہوتا ہے۔ ۱۹۴۲ء تک انگلستان میں باوجود شدید قسم کی راتب بندی کے وہاں روٹی کی راتب بندی نہیں ہوئی تھی اور اور انگلستان پر دشمن کے شدید حملوں اور سمندر میں آبدوزوں کی تباہ کاریوں کے باوجود اہل انگلستان کو ان کی مقررہ رسد برابر اور مسلسل مل رہی تھی۔ اور ہندوستان میں ایک ایماندار صارف کو کھلے بازار سے ایک تولہ تک گیہوں بھی دستیاب نہ ہو سکتا تھا۔

ان حقائق کی روشنی میں ہم ان ذخیرہ کرنے والوں کو جو خوردنی اجناس کا ذخیرہ بھی اور اپنے خاندان کی جائز ضروریات کے لئے کر رہے تھے کس حد تک قابل مواخذہ قرار دے سکتے ہیں بالخصوص اس امر کے پیش نظر کہ حکومت ان کی جائز ترین ضروریات بھی پورا

کرنے سے قاصر رہی تھی؟ محض لوگوں پر الزام دھرنے اور ان کو طعن و تشنیع کرنے سے کام نہیں چل سکتا۔ ہم کو دراصل ان حالات و واقعات کا ٹھنڈے دل سے مطالعہ کرنا چاہیئے جن کی وجہ سے موجودہ حالت پیدا ہوتی ہے۔ اس سلسلہ میں دو اہم سوال پوچھے جا سکتے ہیں۔

(۱) لوگ یک بیک کیوں ذخیرہ کرنے لگ گئے ہیں؟

(۲) یہ لوگ اس سے پہلے کیوں ذخیرہ نہیں کرتے تھے؟

اس مسئلہ کا حل ہم کو آسانی سے مل جائیگا اگر ہم پہلے دوسرے سوال کا جواب دیں گے لوگ پہلے ذخیرہ اس لئے نہیں کرتے تھے کہ انھیں اس امر کا یقین اور اطمینان تھا کہ وہ جب چاہیں گے غلہ خرید سکیں گے۔ جب کوئی جنس جس کی فروخت آزاد ہو اور لوگ جب اسے خریدنے کے لئے بازار جائیں اور وہ انھیں مل سکتی ہو تو لوگ بالعموم اس جنس کا ذخیرہ نہیں کرتے۔ اگر خوردنی اجناس آسانی سے جب چاہیں بازار سے دستیاب ہو سکتی ہوں تو ان کی ذخیرہ اندوزی کا رجحان یقیناً کم ہوتا جائے گا۔

پہلے سوال کے متعلق میرا جواب یہ ہے کہ لوگ اب جو ذخیرہ اندوزی اس لئے کر رہے ہیں کہ اب جب وہ چاہیں اپنی ضروریات کی چیزیں

آسانی سے نہیں خرید سکتے۔

حکومت جب تک اس امر کا کوئی تسلی بخش یقین نہ دلائے کہ وہ لوگوں کی جائز ضروریات بروقت مہیا کرنے کے لئے تیار رہے گی اس وقت تک ذخیرہ اندوزی کے رجحانات میں کمی ہونا نہایت ہی دشوار ہے مثل مشہور ہے کہ دودھ کا جلا چھاچھ کو پھونک پھونک کر پیتا ہے۔ لوگ ایک دفعہ نہیں بلکہ کئی مرتبہ جل چکے ہیں اس لئے وہ ضرورت سے زیادہ ہوشیار ہوتے جا رہے ہیں جب تک حکومت ان کو اس بات کا قطعی اور پختہ یقین نہیں دلا دے گی اور اس کا عملی ثبوت نہیں دے گی کہ وہ ان کی جائز ضروریات ہمیشہ پورا کرتی رہے گی اس وقت تک جیسا کہ میں پہلے عرض کر چکا ہوں ذخیرہ اندوزی کا رجحان کم نہیں ہوگا۔ انگلستان کے لوگ ذخیرہ نہیں کرتے کیونکہ انھیں اس امر کا یقین ہے اور وہ جان چکے ہیں کہ ان کی حکومت ہر نازک سے نازک موقع پر بھی ان کی جائز ضروریات پورا کرتی رہی گی۔

حکومت ہند کو متذکرہ بالا پہلوؤں پر ٹھنڈے دل سے غور و فکر کرنا چاہیئے۔

قیمتوں کی نگرانی کا ترک

صارفین اور ذخیرہ اندوزی کے متعلق جو کچھ ہم نے اوپر لکھا ہے وہ ہمارے اصل مضمون سے بظاہر کچھ ہٹا ہوا معلوم ہوتا ہے لیکن اس کا تذکرہ کئے بغیر قیمتوں کے اتار چڑھاؤ کی داستان پوری طرح سمجھ میں نہیں آسکتی تھی۔ اب ہم پھر اپنے قصہ کو وہاں سے شروع کریں گے جہاں کہ ہم نے اسے چھوڑا تھا یعنی بڑھیا اجناس کے مقابلہ میں گھٹیا اجناس کی قیمتوں میں اضافہ

دسمبر ۱۹۴۲ء کے آغاز میں ملک کی غذائی صورت حال نے نہایت ہی نازک صورت اختیار کرلی۔ حکومت ہند کے اس وقت این۔ آر۔ سرکار کامرس ممبر تھے۔ انہوں نے جلدی جلدی ہندوستان کا دورہ کیا ملک کی غذائی صورت حال کے متعلق مجھے لاہور کے ایک جلسہ میں ان سے تبادلہ خیالات کرنے کا شرف حاصل ہوا۔ میرا خیال اس وقت یہ تھا کہ ملک میں غلے کی کمی نہیں ہے۔ حکومت نے گیہوں کی قیمت پانچ روپیہ کی کم سطح پر مقرر کرنے میں غلطی کی ہے میری رائے یہ تھی کہ اگر گیہوں کی قیمت پر سے نگرانی اٹھالی جائے اور صورت حال کو آزاد چھوڑ دیا جائے تو حالات خود بخود سدھر جائیں گے۔

کامرس ممبر صاحب کو اس بات کا ڈر تھا کہ ملک میں غلے کے زیادہ ذخائر نہیں ہیں کیونکہ کھلے بازاروں میں گیہوں آ ہی نہیں رہا تھا۔ صورت حال کی نزاکت سے مجبور ہو کر ۱۲ر جنوری سنہ ۱۹۴۶ء کو حکومت ہند نے گیہوں کی قیمت سے نگرانی ہٹا لینے کا وعدہ کر لیا۔ اس اعلان کے تین دن بعد بازار میں گیہوں بکثرت آنے لگا اس میں شک نہیں کہ گیہوں کی قیمت آٹھ اور نو روپے کے لگ بھگ ہو گئی۔ اور یہی قیمت نگرانی ہٹانے سے پہلے چور بازاروں میں رائج تھی نگرانی ہٹنے کے بعد جب قیمت نو روپیہ کے قریب ہو گئی اور بازار میں کافی مال آ گیا تو صارفین کو مکمل آزادی تھی کہ جتنا گیہوں بھی چاہیں خرید کر ذخیرہ کر سکتے تھے لیکن انہوں نے بالعموم ایسا نہیں کیا آخر کیوں؟ جب انہیں اس بات کا یقین ہو گیا کہ وہ حسب ضرورت جب چاہیں اور جتنا چاہیں گیہوں خرید کر سکتے ہیں تو انہیں ذخیرہ کرنے کی ضرورت اور پرواہ باقی نہ رہی اور جو کام نیشنل وار فرنٹ کا شدید پروپگنڈا اور حکومت کے دوسرے ادارے کرنے سے ناکام رہے (یعنی صارفین کی ذخیرہ اندوزی کی روک) وہی کام ترک نگرانی اور آزادی خرید و فروخت نے کر دیا۔

غیر ضروری پابندیاں

اگرچہ گیہوں کی قیمت سے جنوری میں نگرانی حکومت ہند کی طرف سے ہٹائی گئی تھی لیکن انہیں صوبوں میں مختلف قسم کی غیر ضروری پابندیاں قائم رہیں اور وقت گذرنے کے ساتھ ساتھ بجائے ان پابندیوں میں کسی قسم کی کمی ہونے کے ان میں اضافہ ہوتا گیا اور انکی شدت اور بڑھتی گئی۔ بین الصوبجاتی پابندیوں کی شدت بہت بڑھ گئی اور یہ مضبوط سے مضبوط تر اور ناقابل عبور سے ناقابل عبور تر ہو گئیں۔ ہندوستان کو سیاسی آزادی اس وقت تک اس لئے حاصل نہیں ہوئی کیونکہ ملک کی دو بڑی سیاسی جماعتیں ہندو اور مسلمان آپس کے اختلافات دور نہیں کر سکے۔ مسلمان ملک کی آزادی کا یہ مطلب سمجھتا ہے کہ اسے اپنے گھر میں آزادی ہونی چاہئے اور وہ صوبجات جہاں ان کی اکثریت ہے وہاں ان کی اپنی حکومت قایم ہونا چاہئے۔ اس مطالبہ نے "پاکستان" کے مطالبہ کی شکل اختیار کر لی ہے۔ ہندو ہندوستان کی جغرافی وحدت کا شدت سے قایل ہے۔ اس لئے وہ پاکستان کے مطالبہ کو منظور کرنا تو در کنار اس پر غور کرنے کے لئے بھی تیار نہیں ہے لیکن گذشتہ

آٹھ دس ماہ میں ہندوستان کا دو حصوں میں منقسم ہونا تو ایک معمولی بات تھی یہ ملک بیسوں حصوں میں تقسیم ہو گیا ہے اور ہر حصہ خود کو ایک ایسا ملک سمجھتا ہے جس کا مفاد باقی تمام حصوں سے بالکل الگ تھلگ اور جدا گانہ ہے اور مال کی نقل و حمل کے متعلق اس طرح کی پابندیاں اور مزاحمتیں عائد کرتا ہے کہ دو آزاد ممالک کے درمیان بھی شاذ و نادر ہی دیکھنے میں آتی ہیں۔ غلہ کی نقل و حمل کے متعلق یہ پابندیاں سب سے زیادہ شدید ہیں۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا ہے کہ غلہ کی تقسیم نہایت ناشائستہ طور پر عمل میں آ رہی ہے اور ملک میں ڈر اور خوف و ہراس کے جذبات ترقی پذیر ہو رہے ہیں غذا کی راشن بندی کی افواہوں اور اب ان افواہوں کی سرکاری تصدیق نے صورت حال کو اور بھی بگاڑ دیا ہے راشن بندی کے متعلق میں بعد میں تبصرہ کروں گا۔ پہلے میں اس مصنوعی اور غیر فطری غلہ کی بڑھتی ہوئی قیمت کا ذکر کرنا ضروری سمجھتا ہوں جو گذشتہ پانچ چھ ماہ سے دیکھنے میں آ رہی ہے۔

قیمتوں میں مصنوعی اضافہ

اس میں کوئی شک نہیں کہ قیمتوں میں موجودہ اضافہ کا بڑا سبب

افراط زر ہے جس حکمت عملی پر حکومت ہند گذشتہ ڈیڑھ برس سے بہت تیزی سے گامزن ہو رہی ہے لیکن اس کے علاوہ چند دیگر اسباب بھی ہیں جن پر غور کرنا ضروری معلوم ہوتا ہے۔

ہم اوپر بیان کر چکے ہیں کہ جب گیہوں کی قیمت سے نگرانی اٹھائی گئی تو اس کی قیمت ۹ روپے کے لگ بھگ تھی اور زیادہ سے زیادہ یہ قیمت دس روپے فی من تک پہنچ گئی تھی یہاں یہ بھی یاد رکھنا ضروری ہے کہ کم و بیش یہی قیمت چور بازار میں بھی مروّج تھی۔ گیہوں کی یہی قیمت معمولی اتار چڑھاؤ کے ساتھ وسط اپریل تک بازاروں میں مروّج رہی۔ جنوری فروری اور مارچ گیہوں کے اختتامی مہینے ہوتے ہیں کیونکہ یہ وہ زمانہ ہوتا ہے جبکہ گذشتہ ذخیرے ختم ہو رہے ہوتے ہیں اور نئی فصل ابھی آنے کو کچھ وقت ہوتا ہے۔ جنگ سے پہلے بھی عام حالات میں ان مہینوں میں گیہوں کی قیمت عام طور پر بڑھتی رہتی ہے شمالی ہندوستان میں گیہوں کی نئی فصل اپریل سے پہلے بازاروں میں نہیں آتی اور یہ سلسلہ مئی اور جون تک جاری رہتا ہے۔ ان مہینوں کے مقابلہ میں (یعنی) مئی و جون فروری اور مارچ میں گیہوں کی قیمت جیسا کہ ابھی ذکر کیا جا چکا ہے ہمیشہ بڑھتی رہتی ہے۔ اور یہ بالکل قدرتی امر ہے کیونکہ نئی فصل

آنے سے رسد میں نمایاں اضافہ ہو جاتا ہے اور نتیجۃً قیمت گر جاتی ہے اس کے برعکس فروری و مارچ میں قیمت ایک تو اس لئے زیادہ ہوتی ہے کہ ملک میں غلہ کی رسد کم ہو جاتی ہے دوسرے وہ غلہ جو شروع فصل میں خریدا گیا تھا اسے موسم کے آخر تک رکھنے کے لئے مختلف قسم کے اخراجات برداشت کرنے پڑتے ہیں اور ان کی وجہ سے قیمت کا بڑھنا لازمی امر ہے جب نئی فصل آتی ہے، تو قیمت کا گھٹنا ایک لازمی اور قدرتی امر ہے۔ لیکن موجودہ فصلی سال میں یہ معمولی صورت حال رونما نہ ہوئی۔ نہ صرف قیمت کم نہ ہوئی جیسا کہ ہونا چاہئے تھا بلکہ اس میں اضافہ کا رجحان بڑھنے لگا۔ صرف ایک مہینے کے عرصہ میں ۱۵ اپریل سے ۱۵ مئی تک گیہوں کی قیمت میں ایسا اتار چڑھاؤ دیکھا گیا جو اس سے پہلے کبھی دیکھنے میں نہ آیا تھا عام حالات میں نئی فصل کے آنے پر گیہوں کی قیمت زیادہ سے زیادہ ۸ روپے تک ہونی چاہئے تھی۔ کتنی عجیب بات ہے کہ گیہوں کی قیمت بارہ روپے فی من ہو گئی۔ کوئی معاشی نظریہ اس صورت حال کی وضاحت نہیں کر سکتا۔ اور معاشی زاویہ نگاہ سے قیمت کا یہ چڑھاؤ قطعی طور پر جائز نہیں۔ اس صورت حال کو صرف اسی رنگ میں بیان کیا جا سکتا ہے کہ یہ بڑھتی ہوئی سٹہ بازی بے بنیاد ڈر

اور حکومت کی غلط قسم کی مداخلت کا نتیجہ تھی۔ یہ مداخلت حکومت پنجاب کی طرف سے عمل میں آئی۔ کاشتکاروں کو فائدہ پہنچانے کے لئے حکومت پنجاب نے فصل کے شروع ربی میں جبکہ پوری فصل ابھی بازار میں آنے بھی نہ پائی تھی کہ بازار میں دھڑا دھڑ گیہوں کی خریدی شروع کر دی، اور قیمت کو بہت بڑھا دیا۔ جہاں تک کاشتکاروں کے مفاد کا تعلق ہے مجھے یقین ہے کہ میں اُن کی حمایت کرنے میں کسی دوسرے سے پیچھے نہیں ہوں اس رسالے کے شروع میں میں نے حکومت پنجاب کے اس مطالبے کو کہ گیہوں کی قیمت بڑھا دی جائے پوری طرح سراہا تھا۔ میری رائے میں پنجاب میں گیہوں کی انتہائی قیمت آٹھ روپے فی من سے زیادہ نہیں ہونی چاہئیے تھی۔ اور نہ اس کو اس سطح سے بڑھنے دینا چاہئیے تھا۔ اگر حالات کو آزاد چھوڑ دیا جاتا تو میری رائے میں نگرانی کی چنداں ضرورت بھی نہ پڑتی طلب و رسد کے آزاد توازن سے جو قیمت مقرر ہوتی وہ ۸ روپے سے زیادہ نہ ہوتی۔ یہ امر واقعہ ہے کہ ماہ اپریل کے آغاز میں قیمت ۱۱ روپیہ سے گر کر ۹ روپے کے لگ بھگ آگئی تھی۔ اور جب نئی فصل پوری طرح بازار میں آجاتی اور یہ پتہ چل جاتا کہ جتنا گیہوں اس سال پنجاب میں پیدا ہوا ہے اس سے پہلے کبھی پیدا نہیں ہوا

تھا تو کوئی وجہ نہیں کہ قیمت کیوں ۸ روپے یا اس سے بھی کم نہ ہو جاتی اگر حکومت پنجاب بازار میں آکر بے وقت خریدی نہ کرتی تو موجودہ صورت حال رونما نہ ہوتی۔

چونکہ گیہوں ایک بنیادی خوردنی جنس ہے اور دیگر خوردنی اجناس کی قیمتوں کا گیہوں کی قیمت سے متاثر ہونا لازمی امر ہے اس لئے گیہوں کی دیکھا دیکھی دوسری قیمتیں بھی بڑھنے لگیں۔ اور غربا اور متوسط الحال لوگوں کے لئے زحمت کا باعث بن گئیں سٹے بازوں کی حرکات کی وجہ سے اس تحریک کو اور زیادہ تقویت حاصل ہوئی۔ لیکن قیمت بڑھنے کی زیادہ ذمہ داری حکومت پنجاب پر ہی ہے۔ کیونکہ حکومت ہند اور دیگر صوبجات کے لئے گیہوں کی خریدی کا اجارہ پنجاب میں گیہوں خریدنے کے لئے حکومت پنجاب ہی کو حاصل تھا۔

نقل و حمل کی دشواریاں

اس میں کوئی شک نہیں کہ مجموعی طور پر ملک میں غلے کا کافی ذخیرہ موجود ہے لیکن نقل و حمل کی دشواریوں کی وجہ سے اس کی تقسیم نہایت ہی غیر مساویانہ طریق پر عمل میں آرہی ہے یہ بھی امر واقعہ ہے کہ ملک میں ریل کے ڈبوں کی بہت کمی ہے اور ریلوں کو بڑھتی

ہوئی فوجی ضروریات کو بھی پورا کرنا ہے۔ لیکن میری ذاتی رائے یہ ہے کہ موجودہ صورت حال ریل کے ڈبوں کی کمی کی وجہ سے اتنی زیادہ بری نہیں ہوئی۔ جتنی کہ مختلف قسم کی بے انتظامیوں کی وجہ سے، جس میں ڈبوں کے استعمال کی بد انتظامی سب سے زیادہ اہم ہے ہر جگہ ڈبوں کی کمی بتا کر موجودہ صورت حال کا رونا رویا جا رہا ہے اور یہ کہا جاتا ہے کہ محکمۂ ریلوے کو فوجی ضروریات کے پورا کرنے سے ہی فرصت نہیں ملتی۔ میری رائے میں شہری آبادی کی ضروریات کو اس طرح پس پشت نہیں ڈالا جا سکتا بلکہ میری اگر بماند اندرائے پوچھی جائے تو میں کہوں گا کہ جب تک ملک میں فوری حملے کا خطرہ نہ ہو ضروریات زندگی کے مہیا کرنے کے لئے شہری آبادی کی ضروریات کو عام فوجی ضروریات پر ترجیح دی جانی چاہئے۔

ہم کو ہمیشہ یہ یاد رکھنا چاہئے کہ موجودہ جنگ ایک ایسی عالمگیر جنگ ہے کہ جس میں شہری آبادی بھی اتنا ہی مفید کام کر رہی ہے جتنا کہ سپاہی۔ اگر انگلستان میں شہری آبادی کی ضروریات کو پورا کرنے کے لئے سمندروں کے سخت خطرات، آبدوز کشتیوں کے تباہ کن اثرات کے باوجود بھی حملہ اور دیگر ضروریات دیگر ممالک سے آ سکتی ہیں۔ تو پھر ہندوستان میں کم سے کم ان صوبوں کے لئے

جن کے قریب بڑی بڑی بندرگاہیں ہیں وہاں آسٹریلیا سے غلہ کیوں نہیں منگوایا جاسکتا۔ جہاں کے سمندروں میں مقابلتہً اتنا زیادہ خطرہ نہیں ہے۔ ملک کی فوج خواہ کتنی ہی مضبوط اور طاقتور کیوں نہ ہو اگر شہری آبادی کی ہمت ہار بیٹھے تو کوئی طاقتور فوج بھی دشمن کا مقابلہ نہیں کر سکتی۔ گذشتہ جنگ میں جرمنی کا جو حشر ہوا وہ ہمیشہ ہمیں پیش نظر رکھنا چاہئیے۔ گذشتہ جنگ میں جرمنی کو فوجی میدان میں اتنی شکست نہیں ہوئی تھی جتنی کہ غذائی میدان میں ہوئی تھی۔ حکومت ہند کو اس سبق کو نہ بھولنا چاہئیے۔ اب جبکہ ہندوستان پر حملہ کا اندیشہ ہے ہمیں اس بات کا پورا خیال رکھنا چاہئیے کہ شہری آبادی کی ہمت پوری طرح برقرار رہے اس سے ہمارا خیال بنگال کی موجودہ غذائی صورت حال کی طرف لوٹتا ہے۔

بنگال کی موجودہ صورت حال

بنگال میں اس وقت جو غذائی صورت حال ہے اس کی وجہ سے تمام ملک میں اس لئے دلچسپی پیدا ہو گئی ہے کہ عام حالات میں بنگال میں ۵ لاکھ ٹن چاول دو لاکھ ٹن گیہوں اور ۳۸ ہزار ٹن

چھنے کی کمی ہوتی ہے۔ پروفیسر رادھا کمل کرجی نے اپنے ایک ....
تازہ رسالہ موسومہ "غذائی رسد" جو آکسفورڈ یونیورسٹی پریس سے انگریزی
زبان میں شائع ہوا ہے لکھا ہے کہ "بنگال میں سن کی کاشت پر جو پابندیاں
عاید کی گئی ہیں ان کی بدولت بنگال میں ۱۲ لاکھ ٹن چاول زیادہ
پیدا ہوا ہے" اگر یہ اعداد و شمار صحیح ہیں تو یہ بات سمجھ میں نہیں آتی کہ
بنگال کی صورت حال اسقدر ابتر کیوں ہو گئی ہے ہندوستان میں
بنگال ہی ایک ایسا صوبہ ہے جہاں دشمن کے حملہ کا خطرہ سب سے
زیادہ ہے اور ہندوستان کے تمام صوبوں میں بنگال ہی کی غذائی
صورت حال زیادہ ابتر ہے۔ کیا ہمارے افسران بالادست اس صورت
حال سے جو خطرناک حالات پیدا ہو سکتے ہیں ان کا اندازہ نہیں
لگاتے۔ کیا بنگال میں اس وقت اسی قسم کی صورت حال نہیں پائی
جاتی جیسی ۱۹۱۸ء میں جرمنی میں پائی جاتی تھی۔ فوجی نقطہ نظر سے
بھی یہ صورت حال ایسی بری ہے جس کا غالباً حکومت کو پوری
طور پر احساس نہیں۔ دشمن اس صورت حال سے فائدہ اٹھا کر ہمارے
خلاف شدید پروپیگنڈا کر رہا ہے۔ لیکن ہم نے اس کو بے اثر
بنانے کے لئے کوئی فوری قدم نہیں اٹھایا۔ ہندوستان کے مفاد کا
تقاضا یہ ہے بلکہ میں یہ کہوں گا کہ انگلستان اور مملکت برطانیہ کے

مفاد کا تقاضا بھی یہ ہے کہ اس صورت حال کی فوری اصلاح کی جائے۔ اگر یہ صورت حال غلے کی ذخیرہ اندوزی کی وجہ سے عمل میں آئی ہے تو ذخیرہ کرنے والوں کو کیفر کردار کو پہنچایا جائے اور عبرتناک سے عبرتناک سزائیں دی جائیں میری رائے میں ایسے مجرم کے لئے سزائے موت بھی کوئی سخت سزا نہ ہوگی۔ اس وقت سٹے بازوں اور سیاسی صورت حال سے ناجائز فائدہ اٹھانے والوں کا پوری طرح قلع قمع کرنا چاہئے۔ اس وقت بنگال کی جو فوجی اہمیت ہے، اس کے پیش نظر یہ انتہائی ضروری ہے کہ حکومت ہند فوراً مداخلت کرے اور اگر بنگال میں واقعی غلے کی کمی ہے تو اسے فوراً پورا کیا جائے اور غلے کی مناسب مقدار جس طرح بھی ہوسکے فوری یہاں درآمد کی جائے۔ اور باقی تمام ضروریات کو چھوڑ کر اس نیک کام کیلئے جہاز مہیا کئے جائیں۔

بنگال کی غذائی صورت حال کے متعدی اثرات

بنگال میں اس وقت جو حالت قلت خوراک کی وجہ سے پیدا ہو رہی ہے اس نے تمام ملک میں ایک بحران کی سی کیفیت پیدا کردی ہے۔ حکومت ہند نے صورت حالات سے گھبرا کر ۱۴ راکتوبر

کو دہلی میں کانفرنس اغذیہ منعقد کی جس میں اور مسائل کے علاوہ ایک اہم بات یہ طے پائی کہ ملک کی موجودہ مشکلات کا علاج خوراک کی راتب بندی کرنے سے ہی ہو سکتا ہے یہ مشورہ حکومت کو بیرونی شیہ بھی دے چکے ہیں جن کی خدمات اس غرض کے لئے انگلستان سے حاصل کی گئی تھیں اور جو اس کام کا وہاں خاص تجربہ رکھتے تھے۔

اب دیکھنا یہ ہے کہ موجودہ مشکلات کا یہ علاج جو حکومت ہند نے تجویز کیا ہے کس حد تک درست ہے اور کیا اس پر عمل کرنے سے مریض کو شفا حاصل ہو سکتی ہے۔

کسی مریض کی اگر تشخیص کروانا ہو تو سب سے پہلے یہ دریافت کرنا چاہئے کہ آیا طبیب نے مریض کے حالات کو صحیح طور پر سمجھ بھی لیا ہے یا نہیں؟ نیز یہ بھی ضروری ہے کہ آیا طبیب سمجھنے کی پوری صلاحیت بھی رکھتا ہے یا نہیں؟ ایسے ماہرین جو بیرون ملک سے درآمد کئے جاتے ہیں جو ہندوستان جیسے وسیع ملک کا چند ہفتوں میں برق رفتاری سے دورہ کرتے ہیں۔ اور نہ ملک کی زبان جانتے ہیں اور نہ ہی ملک کے معاشی بالخصوص معاشرتی حالات سے واقف ہوتے ہیں؟ وہ ذاتی طور پر خواہ کتنے ہی قابل کیوں نہ ہوں میری رائے میں ان کی سفارشات کی وقعت اس کاغذ کے ٹکڑے کے برابر بھی نہیں ہوتی

جس پر کہ وہ سفارشات لکھی گئی ہوں۔ ہندوستان میں بالعموم ایسے ہی ماہر درآمد کئے جاتے ہیں۔ حالانکہ ہونا یہ چاہئے کہ ان ہندوستانیوں کو جو یہاں کے معاشرتی حالات اور عوام کی ضروریات سے کماحقہ واقف ہوں دوسرے ممالک میں صورت حالات کا مطالعہ کرنے کے لئے بھیجا جائے۔ تاکہ وہ اپنی ضروریات کے پیش نظر دوسرے ممالک کی اسکیموں کا مطالعہ کریں۔ ملک کے معاشی حالات کا غائر مطالعہ کرنے کے بعد میں اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ ہندوستان کی غذائی مشکلات کا علاج صرف راتب بندی سے ہی نہیں ہو سکتا۔ کیوں کہ راتب بندی بالعموم صرف اسی وقت کی جاتی ہے جب کہ ملک میں غذا کی کمی ہو اور اسے اس طرح تقسیم کرنا مقصود ہو کہ ہر شخص کو اس کی ضروریات کے پیش نظر مناسب حصہ مل سکے۔ اور ہر شخص مساوی ایثار کرے جہاں تک ہندوستان میں اغذیہ کی رسد کا تعلق ہے۔ حکومت ہند کے خود اپنے تیار کردہ اعداد و شمار یہ بتا رہے ہیں کہ ملک میں اس کی کمی نہیں ہے۔

فوج کی ضروریات کے متعلق بھی بہت مبالغہ آمیز قیاس آرائیاں کی جاتی ہیں۔ حالانکہ ہندوستانی فوج کی تعداد بیس لاکھ سے زیادہ نہیں ہے۔ یہ لوگ آخر پہلے بھی کچھ نہ کچھ غذا استعمال کرتے تھے۔ بیرونی

فوجوں اور دیگر متعلقہ فوج کو بھی پیش نظر رکھا جائے تو بھی کسی طرح
ان کی تعداد پچاس لاکھ سے بڑھ نہیں سکتی۔ یہ ہماری جملہ آبادی کا
صرف سوا فی صد حصہ ہے۔ جن کی ضروریات خواہ کتنی ہی بڑھی ہوئی
کیوں نہ ہوں ملک کی جملہ غذائی مقدار پر کوئی قابل لحاظ اثر نہیں ڈال
سکیں۔ اگر ہمارا یہ تجزیہ درست ہے اور ملک میں غذا کی کمی نہیں تو پھر
راشن بندی کی زحمت گوارا کرنا بے معنی ہے۔ لیکن اہم سوال
یہ اٹھایا جا سکتا ہے کہ اگر ملک میں غذا کی کمی نہیں ہے تو پھر موجودہ
صورت حالات کن محرکات کا نتیجہ ہے۔ یہ صورت کیونکر پیدا ہوئی
اور اس کا علاج کیا ہے؟ جہاں تک میں سمجھتا ہوں موجودہ صورت
حال کی ذمہ داری حکومت ہند کی متذبذب۔ متضاد۔ ڈھیلی اور
پس و پیش کی پالیسی ہے جو اس نے غذا کے متعلق اختیار کر رکھی ہے
چونکہ راشن بندی کا آج کل بہت چرچا ہو رہا ہے اس لئے
ہم اس پر ذرا تفصیلی روشنی ڈالتے ہیں۔

ہندوستان کیلئے غذا کی راشن بندی

راشن بندی کا بنیادی اصول یہ ہے کہ راشن بندی
بالعموم ایسی چیزوں کی کیجاتی ہے جو ضروریات زندگی کی چیزیں

ہوں اور جن کی رسد مقابلتہً کم ہو۔ ایسی چیزوں کی تقسیم اس طرح عمل میں آنی چاہیئے کہ ہر صارف کو اس کی ضروریات کے لحاظ سے اس چیز کا مناسب حصہ مل سکے اور ہر شخص مساوی طور پر ایثار و قربانی سے کام لے اور تکلیف میں برابر کا شریک رہے۔ برابر کے ایثار کا یہ مطلب نہیں کہ ہر شخص کو ایک ہی مساوی ایثار کرنا پڑے بلکہ اصل مقصد یہ ہوتا ہے کہ ہر شخص کی قربانی کی نوعیت ایک جیسی ہو۔

ہمیں یہاں تفاصیل میں جانے کی ضرورت نہیں ہے اور نہ ہی ہمیں راشن بندی کی مختلف اقسام اور ان کے طریقوں پر بحث کرنا ضروری ہے۔

ہمارے لئے یہ جان لینا ضروری ہے کہ راشن بندی بالعموم اُن اشیاء کی کی جاتی ہے جو ضروریات زندگی کی چیزیں ہوں (یا قومی لحاظ سے اہم ہوں) اور راشن بندی کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ معاشرے کا ہر فرد یکساں اور مساوی ایثار کرے اور شے کی محدود رسد میں سے حصہ رسدی ہر شخص کو حاصل ہو سکے۔ اس مقصد کو حاصل کرنے کے لئے ایسی ضروریات کی تمام چیزوں کے پورے ذخائر حکومت اپنے قبضہ میں لے لیتی ہے اور ان ذخائر کی تقسیم یا تو راست اپنے افسران کی نگرانی میں کراتی ہے یا حکومت کی ہدایت کے مطابق اس کی تقسیم اسی شے کے تاجر (ولی)

کے سپرد کر دی جاتی ہے۔

ان اصولوں کی روشنی میں اب ہمیں ہندوستان کی صورت حال کا جائزہ لینا چاہیئے۔ اسمیں کوئی شک نہیں کہ خوردنی اجناس ضروریات زندگی کی اہم ترین چیزوں میں سے ہیں اور اگر ملک میں مجموعی طور پر ان کی رسد کم ہو تو لازماً راشن بندی کرنا چاہیئے لیکن سوال یہ ہے کہ کیا ملک میں خوردنی اجناس کی رسد کم ہے؟ وہ اعداد وشمار جو ہم پہلے پیش کر چکے ہیں ان سے پتہ چلتا ہے کہ اگرچہ چند صوبے ایسے ہیں جہاں غذا کی قلت ہے لیکن مجموعی طور پر ملک میں غذا کی قلت نہیں ہے۔ اگر یہ اعداد وشمار درست ہیں (اور یہی اعداد وشمار ہیں جس پر خود حکومت اپنے تمام اندازے قائم کرتی ہے کیونکہ یہ خود حکومت کے اپنے فراہم کردہ اعداد وشمار ہیں) تو راشن بندی کی ایک اہم شرط پوری نہیں ہوتی یعنی رسد کی مجموعی کمی۔ گذشتہ چار سال میں ہمیں مسلسل و متواتر یہی بتایا جاتا رہا تھا کہ ملک میں غذا کی کمی نہیں ہے صرف نقل وحمل کی دشواریاں ہیں پنجاب سندھ میں کافی غلہ موجود تھا لیکن گاڑیوں کی قلت کی وجہ سے یہ ان صوبوں تک پہنچایا نہیں جا سکتا جہاں کہ غذا کی کمی ہے۔ اگر دشواری واقعی نقل وحمل کی ہے تو پھر راشن بندی سے اس مشکل کا حل کیونکر ممکن ہے اور پنجاب و سندھ

کا گیہوں بنگال اور بمبئی کے صارفین تک محض راتب بندی سے کیونکر پہنچایا جا سکتا ہے جب تک کہ گیہوں گاڑیوں میں بھر کر وہاں تک لے جایا نہ جائے۔

ملک کا اصل مسئلہ غذا کی کمی نہیں ہے بلکہ نقل و حمل کی دشواری اور گاڑیوں کی کمی ہے۔ اس لئے صحیح طریق اور درست علاج غذا کی راتب بندی نہیں ہے بلکہ اس کے برعکس گاڑیوں کی رسد بندی اس طریق سے کی جائے کہ فاضل صوبوں سے قلت والے صوبوں تک غلہ پہنچایا جا سکے۔ جب تک ہم گاڑیوں کی قلت اور نقل و حمل کا مسئلہ حل نہیں کرینگے۔ اس وقت تک ہم غذا کی کتنی ہی راتب بندی کیوں نہ کریں اس سے غذائی قلت والے صوبوں کے صارفین کی مشکلات حل نہ ہونگی۔

علاوہ ازیں اگر مفروضہ کے طور پر ہم مان بھی لیں کہ ملک میں غذا کی قلت ہے اور نقل و حمل کی کسی طرح کی دشواری نہیں ہے تو کیا ان حالات میں ہم کو غلے کی راتب بندی کرنی چاہیے؟ راتب بندی کا دوسرا اہم ترین اصول یہ ہے کہ اس کی کامیابی کے لئے یہ انتہائی ضروری ہے کہ اشیاء کی تقسیم کا انتظام بہت اچھے طریق سے کیا جائے اور تمام ذخائر پورے طور پر حکومت کے قبضہ میں آجانے چاہئیں۔

حکومت ہند کے افسران اور دوسرے لحاظ سے خواہ کتنے
ہی قابل اور ماہر کیوں نہ ہوں ایک ایسے کام کے لئے جس میں
کاروباری مہارت کی سخت ضرورت ہو اور غلے کی تقسیم کوئی کم اہم کاروباری
کام نہیں ہے اسکے لئے موزوں نہیں ہیں اس میں قصور افسروں کا نہیں
ہے کیونکہ ان کی تربیت یا ٹریننگ ایسے کاموں کے لئے نہیں ہوئی غلے
کی تقسیم اور اس کی خرید و فروخت کا کام نہ صرف آسان نہیں ہے
بلکہ اس کے لئے ایسے کاروباری تجربے، کاروباری میلان اور
مناسبت طبع کی ضرورت ہے جس کا افسروں میں پایا جانا ذرا
مشکل ہے۔ ملک کے اکثر کاروباری لوگوں کا جو پست اخلاقی معیار ہے
اس کے پیش نظر کسی منظم معیشت میں یہ کاروبار ان کے بھروسے پر نہیں
چھوڑا جا سکتا۔ یہ کہا جاتا ہے کہ جب کپڑے کی نگرانی کا کام کاروباری
لوگوں پر چھوڑ دیا گیا تو غلہ کی تقسیم کا کام بھی ان پر کیوں چھوڑا نہیں جا سکتا۔
باہمی مقابلہ کرنا ہمیشہ ناخوشگوار ہوتا ہے۔ لیکن یہاں یہ بیان کئے
بغیر چارہ نہیں کہ کپڑے اور غلے کا کاروبار کرنے والوں کے درمیان
مقابلہ کرنا بہت گمراہ کن ہے۔ کیونکہ جہاں تک کپڑے کی پیدائش
کا تعلق ہے ملک میں صرف تقریباً چند سو بڑے بڑے کارخانے ہیں جو بصنف
در جن مقامات پر پائے جاتے ہیں! ان کا انتظام پڑھے لکھے اور

اعلیٰ پیمانے کے کاروباری لوگوں کے ہاتھ میں ہے کپڑے کے تقریباً سبھی بڑے کارخانے مشترکہ سرمایہ کی کمپنیاں ہیں جہاں باضابطہ حساب کتاب رکھے جاتے ہیں اور ان کی باقاعدہ پڑتال کی جاتی ہے اس کے برعکس غلے کے پیدا کرنے والوں کی تعداد کروڑوں اور اس کے فروخت کرنے والوں کی تعداد لاکھوں ہے غلے کے تاجر بالعموم چھوٹے چھوٹے اور بہت ہی کم پڑھے لکھے لوگ ہیں۔ جن کی کاروباری دیانت اور ضمیر بہت ہی لچک پذیر ہوتی ہے۔ اس لئے کسی منتظم معیشت میں غلہ کی تقسیم کا کام ان کے رحم وکرم پر نہیں چھوڑا جا سکتا۔

لیکن اگر ہم بفرض محال یہ مان بھی لیں کہ حکومت کے افسران یا تاجران غلے کی تقسیم کا کام خوش اسلوبی سے سرانجام دے سکتے ہیں اور ہم یہ کام ان کو سونپ سکتے ہیں تو پھر بھی یہ سوال باقی رہ جاتا ہے کہ آیا حکومت تمام ذخیروں کو آسانی سے پورے طور پر اپنے قبضے میں لے سکتی ہے؟ ہندوستان چھوٹے چھوٹے منتشر کھیتیوں کا ملک ہے جہاں کہ ملک کے دور دراز گوشوں میں بہت ہی چھوٹے پیمانے پر غلہ کی کاشت کی جاتی ہے۔ اور یہ کھیت بسا اوقات ایسے مقامات پر واقع ہوتے ہیں جہاں کسی قسم کی نقل و حمل کی آسانیاں موجود نہیں ہیں ایسے مقامات سے غلہ کیسے سمیٹا جائے گا۔ اگر حکومت غلہ کی

ایسی قیمت مقرر کرتی ہے جس کو کاشتکار منفعت بخش نہیں سمجھتے اور وہ اس کو چوری سے بیچ کر زیادہ منافع کما سکتے ہیں تو حکومت اس کا تدارک کس طرح کرے گی۔ میں خود زمیندار ہوں اور صورت حالات سے پورے طور پر واقف ہوں جو لوگ زمینات کے مالک ہیں انہیں اس امر کا بخوبی اندازہ ہے کہ بٹائی کی پوری وصولی کرنے میں اپنے ملازموں و عزیزوں اور کارندوں کے بھیجنے پر بھی کس قسم کی مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے اور کاشتکار اس میں سے کتنا غلہ چرا لیتے ہیں۔ حکومت کا کوئی ادارہ اس کی پوری روک تھام کیسے کر سکے گا نتیجہ یہ کہ پھر چور بازار قائم ہونے لگیں گے اور قیمتیں بڑھنے لگیں گی۔

ہم ہندوستان کے حالات کا یورپ کے حالات سے مقابلہ نہیں کر سکتے وہاں کے حالات بالکل مختلف ہیں راشن بندی کا اولین اور بنیادی اصول یہ ہے کہ اگر اسے کامیاب بنانا ہو تو گدا سے لیکر شہنشاہ تک اور ہر جھونپڑی سے لیکر ہر محل تک راشن بندی کی جائے۔ راشن بندی کی جو اسکیم حکومت ہند کے پیش نظر ہے اس میں میری رائے میں سب سے بڑا نقص یہ ہے کہ وہ صرف بڑے بڑے شہروں میں ہی راشن بندی کرنا چاہتے ہیں یہ کہا گیا ہے کہ اگر بڑے بڑے شہروں میں راشن بندی کر دی جائے تو صورت حال

سدھر جائے گی۔ لیکن ان لوگوں کا کیا حشر ہوگا جو ان علاقوں میں رہتے ہیں جہاں راتب بندی نہیں ہے۔ ہندوستان کی آبادی کا صرف گیارہ فی صد حصہ قصبات میں رہتا ہے جو لوگ ہندوستان کے معاشی حالات سے پورے طور پر واقف نہیں ہیں وہ یہ فرض کر لیتے ہیں کہ دیہاتوں میں جو لوگ رہتے ہیں وہ سب اپنے لئے خوردنی اجناس پیدا کرتے ہیں۔ حالانکہ یہ امر واقعہ کے بالکل خلاف ہے۔ ہندوستان میں بے شمار ایسے کسان ہیں جو غیر خوردنی اجناس کو زیادہ منفعت بخش سمجھتے ہیں اور اس کی کاشت کرتے ہیں اور خوردنی اجناس بازار سے خریدتے ہیں اس کے علاوہ ملک میں زرعی مزدوروں کی ایک بہت بڑی جماعت ہے بالخصوص جنوبی ہندوستان میں جن کو اجرتیں نقدی کی صورت میں ملتی ہیں اور وہ غلہ بازار سے خریدتے ہیں یہ لوگ اپنی ضروریات کہاں سے خریدینگے۔ اس ملک میں اگر راتب بندی کرنا ہی منظور رہو تو میری رائے میں راتب بندی تمام ملک میں کرنا پڑے گی جس میں سب آبادی شامل ہو۔ اور چالیس کروڑ کی آبادی کے لئے یہ کوئی آسان کام نہیں ہے۔ انگلستان میں راتب بندی کا نفاذ ملک کی تمام آبادی پر ہے اور وہاں حکومت قیمت پر بھی پوری پوری نگرانی کرتی ہے۔ راتب بندی کا اگر

کامیابی سے نفاذ کیا جا سکے تو اس کا بہت اچھا اثر پڑتا ہے اور غریب
لوگوں کو اس سے بہت فائدہ پہنچتا ہے اور امیروں کو بھی ایثار کے
لئے مجبور ہونا پڑتا ہے۔ اس لحاظ سے راشن بندی غریبوں کے لئے
بہت مفید ہو سکتی ہے۔

قیمت کی مکرر نگرانی

حکومت ہند نے ۱۴؍ اکتوبر کو نئی دہلی میں جو غذائی کانفرنس
منعقد کی تھی۔ اس کا دوسرا اہم فیصلہ یہ تھا (پہلا فیصلہ غذا کی راشن
بندی تھا) کہ آزادئ قیمت کا دور ختم کر دیا جائے اور خوردنی اجناس
کی قیمتوں پر پھر دوبارہ نگرانی قائم کی جائے یہ فیصلہ موجودہ حالات
میں نہایت ہی درست اور مناسب ہے کیونکہ اب ایسا وقت
آچکا ہے جبکہ خوردنی اجناس کی قیمتیں اپنے اعلیٰ ترین عروج کو
پہنچ چکی ہیں اور اب ان پر کڑی نگرانی کی ضرورت ہے مجھ سے اب
یہ سوال بجا طور پر پوچھا جا سکتا ہے کہ میں نے گذشتہ صفحات میں
تو نگرانی قیمت پر اس قدر نکتہ چینی کی ہے اور اکتوبر ۱۹۴۱ء میں
حکومت نے جو گیہوں کی بیش ترین قیمت مقرر کی تھی اسے موجودہ
مشکلات کا ذمہ دار ٹھرایا ہے تو پھر اب یک بیک میں نے اپنا

ارادہ بدل کر نگرانی قیمت کی حمایت کیوں شروع کر دی ہے؟ میرا اس وقت بھی یہی خیال ہے کہ ایک ایسی معیشت میں جس کی بنیادیں سرمایہ داری کے نظام پر قائم کی گئی ہوں جس کی روح آزادئی کاروبار ہے وہاں بہترین نتائج اسی وقت حاصل ہوتے ہیں جب طلب و رسد کی قوتوں کو آزاد چھوڑ دیا جاتا ہے اور وہ اپنا توازن خود بخود قائم کرتی ہیں لیکن سرمایہ دارانہ نظام اس مفروضے پر قائم ہے کہ اس میں جنگ کا تو کیا ذکر جنگ کا سایہ تک اس کے قریب نہ پڑنا چاہئیے۔ جنگی معیشت میں طلب و رسد کی قوتیں آزاد نہیں رہ سکتیں کیونکہ دشمن ممالک سے نہ تو مال منگوایا جا سکتا ہے اور نہ ان کو بھیجا جا سکتا ہے۔ نقل و حمل کی سابقہ آسانیاں بھی باقی نہیں رہتیں۔ اس لئے کٹر سے کٹر سرمایہ دارانہ نظام کے حامی بھی یہ مانتے ہیں کہ جنگ کے دوران میں معاشی زندگی میں حکومت کی مداخلت ناگزیر ہے اور مخصوص حالات میں طلب و رسد کی قوتوں میں توازن پیدا کرنے کے لئے حکومت کو مداخلت کرنا بھی پڑتی ہے لہٰذا یہ میری رائے ہے کہ موجودہ صورت حال جو غیر معاشی مظاہر کا نتیجہ ہے اسے ٹھیک حالت پر لانے کے لئے اب حکومت کی مداخلت ضروری ہے اور میں حکومت ہند کو اس کی اس جرات پر مبارکباد دیتا ہوں کہ اس نے واقعات سے روپوشی نہ کرتے ہوئے جرات سے

ان کا مقابلہ کرنے کا تہیہ کر لیا ہے اور اپنی گذشتہ ناکامیوں کے باوجود
اس نے قیمت پر دوبارہ نگرانی قائم کرنے کا تجربہ کرنے کا تہیہ
کر لیا ہے۔

بین صوبجاتی رکاوٹیں

ملک کی غذائی صورت اس وقت تک میری رائے میں بہتر
نہیں ہو سکتی جب تک کہ اندرون ملک غلہ کی نقل و حمل آزادی سے
نہ ہو۔ میں یہ پہلے عرض کر چکا ہوں کہ ملک کی ضروریات کے لحاظ سے
یہاں کافی غلہ موجود ہے۔ اگر نقص ہے تو یہ کہ غلے کی تقسیم نامناسب
اور غیر مساوی طور پر عمل میں آرہی ہے اور اس کی اصلاح میری رائے میں
اس وقت تک نہیں ہو سکتی جب تک کہ اندرون ملک غلہ کی نقل و حمل
سے ہر طرح کی پابندیاں اٹھا نہ لی جائیں۔ اور صوبہ جاتی مفاد سے
الگ تھلگ ہو کر ملک کے مجموعی مفاد کو پیش نہ رکھا جائے۔ اکثر
حضرات یہ اعتراض کریں گے۔ اور صحیح طور پر ایسا کریں گے کہ اگر ہم یہ
پابندیاں اٹھالیں اور اپنا غلہ باہر بھیجنا شروع کر دیں لیکن باہر سے
غلے کی نقل و حمل کی دشواریوں کی وجہ سے غلہ یہاں نہ آسکے تو ہمارا
کیا حشر ہو گا یہ محض وہمی یا فرضی اعتراض نہیں ہے بلکہ عملاً ایسا

ہو چکا ہے - یہ ضرب المثل بالکل صحیح ہے کہ "دودھ کا جلا چھاچھ پھونک پھونک کر پیتا ہے" اور اس وقت تک بہت سے صوبے اور کئی ریاستیں یہ تلخ تجربہ اٹھا چکی ہیں۔ اس لئے یہ انتہائی ضروری ہے کہ ایسے صوبوں اور ریاستوں کو پورا پورا عملی یقین دلایا جائے کہ وہ اگر ایسا ایثار کریں گے تو انہیں نقل و حمل کی دشواریاں بتا کر مشکلات کے گرداب میں نہیں چھوڑا جائیگا۔ میری رائے میں اگر ایسا پختہ وعدہ کیا جائے جو عملی طور پر شرمندۂ تکمیل ہوتا رہے تو پھر صوبجات اور ریاستوں کو یہ اعتراض نہ ہونا چاہئے کیونکہ جب نقل و حمل کی ہر طرح آزادی تھی تو کسی صوبے نے کبھی ایسا اعتراض نہ کیا تھا۔

اس سلسلے میں انتہائی ضروری ہے کہ ملک کے نظام نقل و حمل کو درست کیا جائے اور جنگ کے تقاضوں کی وجہ سے نقل و حمل کی دشواریوں کا بہانہ کر کے ہر مشکل کو ٹال نہ دیا جائے۔ موجودہ جنگ میں شہری آبادی بھی اتنی ہی جنگی خدمات سرانجام دے رہی ہے جتنی کہ فوجی۔

قیمتیں مقرر کرتے وقت اس معاشی اصول کو ہمیشہ پیش نظر رکھا جائے کہ جب کسی چیز کی قیمت مقرر کی جائے تو اس کے جتنے بھی ممکنہ بدل ہو سکتے ہیں ان کی قیمت مقرر کرنا نہایت ضروری ہے۔ بلکہ جتنے

دوسرے ضروری اجناس غلہ یا اناج کا بدل ہو سکتے ہیں۔ ان کی
قیمت مقرر کرنا جو بھی لازمی ولابدی ہے ۱۹۷۱ء میں حکومت ہند نے
یہی بھاری غلطی کی تھی۔ کہ گیہوں کی قیمت تو مقرر کر دی لیکن دوسرے
اناج مثلاً چاول باجرہ مکئی چنا وغیرہ جو گیہوں کا بدل ہو سکتے ہیں
ان کی قیمت مقرر نہیں کی تھی۔

ملک میں دراصل مسئلہ اتنا غلہ کی کمی کا نہیں ہے جتنا غلے کی بڑھتی
ہوئی قیمت کا ہے جس کی وجہ سے غریب لوگ تو کیا متوسط الحال
لوگ بھی آسانی سے اپنا اور اپنے خاندان کا پیٹ نہیں پال سکتے۔
اس لئے یہ ضروری ہے کہ ہم غلے کی قیمت کو بڑھنے سے روکیں اور اسے
ایک ایسی مناسب سطح پر لے آئیں جس سے نہ تو کسانوں کو نقصان ہو اور
نہ ہی یہ قیمتیں لوگوں کی استطاعت سے باہر ہوں۔ موجودہ قیمتیں
جو بالکل اتفاقی نوعیت رکھتی ہیں ملک کا مجموعی مفاد اس کا متقاضی
ہے کہ ان کی سطح کو کم کیا جائے اور ضروریات زندگی کی چیزوں کا جلد
از جلد تعین کرتے ہوئے ان کی زیادہ سے زیادہ قیمت مقرر کر دی
جائے۔ چونکہ گیہوں ایک بنیادی خوردنی جنس ہے اس لئے مناسب
ہوگا کہ سب سے پہلے گیہوں کی انتہائی قیمت مقرر کی جائے۔ ہماری
معیشت میں چاول کو جو اہمیت حاصل ہے سمجھتے ہوئے اس کی انتہائی قیمت

چاول کا استعمال ملک میں گیہوں سے کہیں زیادہ ہے لیکن چونکہ گیہوں کی حد تک ہم خود مکتفی ہیں اور چاول کی نسبت اس کی کاشت کو زیادہ آسانی سے وسعت دی جا سکتی ہے۔ کیونکہ گیہوں کی کاشت خشک زمینوں پر بھی کی جا سکتی ہے اس لئے ہمیں اپنی قیمت کے تعین کا تجربہ گیہوں سے ہی شروع کرنا چاہئے۔ اگر ہم گیہوں کی قیمت کو قابو میں رکھنے میں کامیاب ہو جائیں تو دوسری متبادل اجناس کی قیمت کو ہم آسانی سے قابو میں رکھ سکتے ہیں یہاں یہ میں پھر دہرا دینا چاہتا ہوں کہ دیگر تمام متبادل اشیا کی قیمت کا تعین گیہوں کی قیمت کے ساتھ بہ یک وقت ہی عمل میں آنا ضروری ہے۔

گیہوں کی انتہائی قیمت

میری رائے میں گیہوں کی انتہائی قیمت پنجاب اور صوبجات متحدہ کی اہم منڈیوں یعنی لائل پور اور ہاپوڑ میں آٹھ روپے فی من سے زیادہ مقرر نہیں ہونی چاہئے۔ اگر حکومت ہند نے زرعی اجناس کی قیمتوں کو قابو میں لانے کا پختہ اور پکا ارادہ کر لیا ہے اور وہ اپنے اس ارادہ کو عملی جامہ پہنانے کے لئے پوری طرح تیار ہے تو نظری لحاظ سے اور عملی لحاظ سے بھی میں یہ سمجھتا ہوں کہ ان کو

زرعی اجناس کی قیمت کو قابو میں لانے میں کامیابی ہو سکتی ہے۔ بشرطیکہ دیگر تمام متبادل اجناس کی قیمتوں کو قابو میں رکھیں۔ حکومت کو اس مقصد کے حاصل کرنے کے لئے ہر قسم کی جائز سختی برتنے کے لئے تیار رہنا چاہیئے حکومت نے قیمتوں کو جو قابو میں رکھنے کا فیصلہ کیا ہے وہ نہایت مناسب اور مستحسن ہے۔ ہمیں اب صرف یہی امید رکھنا چاہیئے کہ کم از کم اس مرتبہ حکومت پیچھے نہیں ہٹے گی اور اپنی خواہشات کو عملی جامہ پہنانے کے لئے کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کرے گی۔ اور اگر نرمی سے کام نہ چلے تو سختی سے کام چلائے گی۔ حکومت کو خود اجناس کا ذخیرہ کرنے کے لئے تیار رہنا چاہیئے۔ اور اگر کسان اپنی مرضی سے اجناس فروخت نہ کرے تو جب فصل کٹے اس وقت حکومت جبری طور پر اس کا کچھ نہ کچھ حصہ ضرور خرید لے۔

حیدرآباد کی غذائی صورت حال

مجھے یہ بات بیان کرتے ہوئے خوشی محسوس ہو رہی ہے کہ حیدرآباد کی غذائی صورت حال اور بہت سے صوبوں سے کہیں بہتر ہے۔ ہماری حکومت جو ایک نہایت ہی بیدار مغز قابل اور ہمدرد حکمران کی رہنمائی اور ہدایت میں ہے اس کا تمام عہد حکومت اپنی رعایا د

کے ان افراد کی حالت کو بہتر بنانے میں گزرا ہے جن کا قسمت نے زیادہ ساتھ نہیں دیا۔ ایک ایسی گورنمنٹ عملی پر گامزن رہی ہے جس کی وجہ سے قیمتوں کو حد سے زیادہ بڑھنے نہیں دیا گیا۔ یہاں گورنمنٹ کی کامیابی کی بڑی وجہ یہ ہے کہ وہ اجناس کے ذخائر جمع کرتی رہی ہے اور ان ذخائر نے بازاری قیمت کو مناسب حدود سے زیادہ بڑھنے نہیں دیا۔ غریبوں کو ضروریات زندگی سرکاری دکانوں سے مقابلۃً سستے داموں پر مہیا کی جاتی ہیں۔ یہ دکانیں آغاز جنگ سے ہی کھول دی گئی ہیں اور بعد ازاں تدریجاً ان دکانوں کی تعداد اور افادیت میں بھی اضافہ ہو رہا ہے۔

غلہ جمع کرنے کی پالیسی یہاں ابتدا میں بہت مختصر طریق سے شروع کی گئی تھی۔ اس پالیسی کی باضابطہ تکمیل اس وقت عمل میں آئی جبکہ ہماری حکومت اور ہمارے سرگرم اور پر خلوص فنانس منسٹر آنریبل جناب غلام محمد صاحب کی کوششوں اور دوراندیشی سے جو بہت دور تک اور معاشی مرفہ الحالی کی صورت میں نہایت نافع بخش اثرات رکھتی ہے۔ اعلیٰ حضرت حضور نظام کی اجازت سے بہت بڑے سرمایہ سے ایک کمرشیل کارپوریشن قائم کی گئی جس کا اہم کام ضروریات زندگی کی چیزوں کو خریدنا اور انہیں ضرورت مند لوگوں تک پہنچانا ہے۔

اس کارپوریشن نے ایک طرف تو انجمن ہائے امداد باہمی میں ایک نئی جان ڈال دی ہے کیونکہ غلے کی خریدی زیادہ تر انہیں انجمنوں کے توسط سے عمل میں آتی ہے۔ اور دوسری طرف ملک میں غذائی صورت حال کو کہیں بہتر بنا دیا ہے۔ اگر یہ کمرشیل کارپوریشن یہاں قائم نہ ہوتی تو حیدرآباد میں بھی اس وقت وہی ابتری کا عالم پایا جاتا جو برطانوی ہند کے کئی اور صوبوں میں دیکھا جا رہا ہے۔ میری آخری سفارش یہ ہے کہ ہندوستان کے ہر صوبے میں غلے کی خریدی کے لئے ایسی کارپوریشنوں کا قیام نہایت ضروری ہے کیونکہ میں سمجھتا ہوں کہ ان کے ذریعہ حکومت غلے کے ذخیرے جمع کر سکتی ہے۔ غذا کی مناسب تقسیم عمل میں لا سکتی ہے۔ اور ان کے سہارے سے وہ بازار کی قیمتوں پر آسانی سے قابو حاصل کر سکتی ہے۔ قیمتوں کو مناسب پیمانہ پر لا سکتی ہے۔ اور اگر کسی منزل پر راشن بندی کی ضرورت درپیش آئے تو یہ کارپوریشن ملک میں تقسیم کے لئے اپنے ذخائر سے غلہ مہیا کر سکتی ہے۔

اہم نتائج کا خلاصہ

(۱) عام حالات میں ہندوستان بالعموم اپنی ضروریات پوری کرنے کے لئے کافی خوراک پیدا کرتا ہے۔

(۲) گذشتہ پانچ سال میں ہندوستان نے ہر سال سولاکھ ٹن گیہوں پیدا کیا یہ گیہوں ہماری ضروریات پوری کرنے کے لئے بہت کافی ہے کچھ گیہوں پنجاب اور سندھ سے ملک کے باہر بھیجا جاتا ہے اور تھوڑا سا گیہوں کلکتہ بمبئی اور مدراس میں آسٹریلیا سے منگوایا جاتا ہے۔ ہندوستان گیہوں کی حد تک ایک خالص برآمدی ملک ہے۔ صاف اور سادہ الفاظ میں اس کا یہ مطلب ہے کہ گیہوں کی حد تک ہندوستان اپنی تمام ضروریات پورا کرکے بھی تھوڑا سا گیہوں باہر بھیج سکتا ہے۔

(۳) ہندوستان میں ۲۵۰ لاکھ ٹن چاول پیدا ہوتا ہے اور ہندوستان ۱۵ لاکھ ٹن چاول جنگ سے پہلے برما، چینی ہند اور آسام سے منگواتا تھا باہر کا یہ چاول ہماری جملہ ضروریات کا صرف ۶ فیصد حصہ تھا۔ اور اس کمی کو ہندوستان ملک کی دوسری خوردنی اجناس سے پورا کر سکتا ہے۔

(۴) دیگر خوردنی اجناس کی اہمیت کا اندازہ اس امر سے لگایا جا سکتا ہے کہ خوردنی اجناس کے جملہ زیر کاشت رقبے کا نصف چاول اور گیہوں کے زیر کاشت ہے اور باقی نصف رقبے پر جوار، باجرہ، مکئی اور چنے کی کاشت ہوتی ہے۔ جوار کا زیر کاشت رقبہ گیہوں کے زیر کاشت رقبے سے کچھ ہی کم ہے

(۵) بعض مصنفین نے ہندوستان کے غلے کے متعلق بہت مبالغہ آمیز

اعداد و شمار دیئے ہیں جو غلط ہیں۔ اس غلطی کی بڑی وجہ یہ ہے کہ انہوں نے چاول کی پیدائش کے گذشتہ ۱۰ سال کے اعداد لئے ہیں۔ ان اعداد میں برما کا چاول بھی شامل ہے کیونکہ ان میں کچھ سالوں تک برما بھی ہندوستان کا ایک صوبہ تھا۔ صحیح اوسط حاصل کرنے کے لئے یہ ضروری ہے کہ ہم صرف ان ہی سالوں کے اعداد و شمار پیش کریں جب سے کہ ہندوستان برما سے علیٰحدہ ہوا ہے۔

(۶) ہندوستان کی موجودہ ابتر غذائی حالت خوردنی اجناس کی کمی سے نہیں ہے۔ بلکہ اس کی ذمہ دار حکومت کی وہ تساہل پسند غیر فیصلہ کن اور بدلتی ہوئی حکمت عملی ہے جو خوراک کے مسائل کے متعلق حال حال تک روا رکھی گئی ہے۔

(۷) ہندوستان میں غذائی تکالیف کا دور ۱۹۴۱ء سے شروع ہوتا ہے جبکہ حکومت ہند نے پہلی مرتبہ گیہوں کی قیمت پر نگرانی عائد کی۔ حکومت نے کاشتکاروں اور تاجروں کے نمائندوں کے احتجاج کے باوجود اُس وقت گیہوں کی قیمت چار روپے چھ آنے فی من مقرر کرنے میں غلطی کی۔

(۸) اس غلطی میں دوسرا اضافہ اُس وقت ہوا جبکہ حکومت نے باوجود پہلے پرزور اعلانات کے کہ وہ گیہوں کی قیمت میں اضافہ نہیں

کرگئی - حالات اور واقعات سے دبکر گیہوں کی قیمت بڑھاکر ۵ روپے کردی۔

(۹) گیہوں کی نگرانی کی تجویز دو وجوہ کی بنا پر ناکام رہی - اولاً یہ کہ حکومت کے پاس گیہوں کا اتنا ذخیرہ نہیں تھا کہ وہ بازار کی قیمتوں کو متاثر کرسکے یا ضرورت مند لوگوں کو مقررہ قیمت پر گیہوں مہیا کرسکے - دوسرے حکومت کے پاس ایسے ذرائع موجود نہ تھے جن سے اس قیمت کا پورے طور پر نفاذ ہو سکے -

(۱۰) نگرانی قیمت کا یہ نتیجہ ہوا کہ بڑی مقدار میں گیہوں پیدا کرنے والے صوبوں میں بھی گیہوں غائب ہونے لگا۔ صارفین کی تکالیف میں اضافہ ہونے لگا اور حکومت کی مقرر کردہ قیمت پر کھلے بازار میں یعنی عام دکانوں سے گیہوں دستیاب نہ ہو سکتا تھا۔

(۱۱) اس صورت حال کا نتیجہ یہ ہوا کہ چور بازار قائم ہونے لگے جہاں گیہوں آسانی سے دستیاب ہو سکتا تھا۔ لیکن حکومت کی مقرر کردہ قیمت سے کہیں زیادہ دام دینے پڑتے تھے۔

(۱۲) ایک عجیب تماشہ یہ ہے کہ حکومت خود چور بازار سے بالواسطہ طریق پر مال خریدتی رہی ہے کیونکہ فوج کی ضروریات کے لئے جو گیہوں خریدا جا رہا تھا - اس کے لئے حکومت کے مقرر کردہ داموں سے زیادہ دام دیئے جارہے تھے۔

(۱۳) سب سے بدترین غذائی صورت حال دہلی میں تھی جو حکومت ہند کا صدر مقام ہے۔

(۱۴) ان ناتشفی بخش نگرانی کا یہ نتیجہ ہوا کہ غذائی صورت حال بدتر سے بدتر ہو رہی تھی حکومت کو ناکامی کا سامنا کرنا پڑا اور جنوری ۱۹۴۳ء میں گیہوں سے پابندیاں اٹھالی گئیں۔

(۱۵) ان پابندیوں کے اٹھانے کے چند روز بعد ہی گیہوں پھر بازار میں آنے لگا۔

(۱۶) ذخیرہ کرنے والوں کو نشانہ ملامت بنانے سے کام نہیں چلے گا۔ وہ ساہوکار جنہوں نے ضروریات زندگی کا ذخیرہ کیا ہے میری رائے میں مورد الزام نہیں ہیں بلکہ وہ حق بجانب تھے کیونکہ حکومت کی جانب سے اس امر کا انہیں کوئی یقین نہیں دلایا گیا تھا کہ ان کی جائز ضروریات حکومت ہمیشہ پوری کرتی رہے گی کیونکہ حکومت کے پاس ذخائر موجود نہ تھے۔

(۱۷) ملک کی غذائی صورت حال فروری اور مارچ ۱۹۴۳ء میں چنداں بری نہ تھی یہ امر اور بھی قابل غور ہے کہ یہ وہ مہینے ہوتے ہیں جبکہ شمالی ہندوستان میں گیہوں کی نئی فصل بازار میں نہیں آتی گیہوں کے ذخائر ان مہینوں میں بالعموم قریب الاختتام ہوتے ہیں منڈیوں میں نئی فصل اپریل سے پہلے نہیں آتی۔

(۱۸) یہ اندازہ لگایا گیا تھا کہ گیہوں کی نئی فصل بہت اچھی حالت میں ہے اور نیا گیہوں آتے ہی قیمت گر جائیگی۔ یہ ایک عجیب واقعہ ہے کہ بازار میں نئی فصل آنے اور غلے کی رسد میں کثیر اضافہ ہونے کے باوجود نہ صرف گیہوں کی قیمت نہیں گری بلکہ اس میں اور بھی اضافہ ہو گیا۔

(۱۹) قیمت کے اس بڑھاؤ کی ذمہ داری زیادہ تر حکومت پنجاب پر ہے جنہوں نے ایک جارہ دار کی حیثیت سے جبکہ گیہوں کی نئی فصل ابھی پورے طور پر بازار میں لے بھی نہ پائی تھی کہ دھڑا دھڑ اس کی خریدی شروع کر دی اور اس طرح گیہوں کی قیمت بہت زیادہ بڑھا دی۔

(۲۰) چونکہ گیہوں ایک بنیادی خوردنی جنس ہے اسلئے دیگر خوردنی اجناس کی قیمت گیہوں کی قیمت سے متاثر ہوتی ہے اور جب گیہوں کی قیمت میں اضافہ ہو گا لازماً دیگر خوردنی اجناس کی قیمتیں بھی بڑھ جائینگی۔

(۲۱) خوردنی اجناس کی قیمتوں میں یہ غیر معمولی اضافہ ہی غریب اور متوسط لوگوں کی مشکلات کا حقیقی سبب ہے۔

بنگال کی غذائی صورت حال

(۲۲) بنگال کی غذائی صورت نے ملک میں بحران کی سی کیفیت پیدا کر دی ہے اور اس سے دیگر صوبے بھی متاثر ہو رہے ہیں بنگال میں غذائی رسد اتنی کم نہیں ہے جتنا کہ بتایا جاتا ہے۔

(۲۳) ہمیں کوئی شک نہیں کہ بنگال بالعموم اپنی ضرورت سے کم چاول پیدا کرتا تھا اور بنگال سالانہ قریباً ۵ لاکھ ٹن چاول ۲ لاکھ ٹن گیہوں اور ۳۸ ہزار ٹن چنا درآمد کرتا تھا لیکن جنگ کے دوران میں سن کی کاشت پر جو پابندیاں عائد کی گئی ہیں انکی وجہ سے بنگال میں چاول کی جملہ پیداوار میں گذشتہ سال تقریباً ۱۳½ لاکھ ٹن کا اضافہ ہو گیا جو تمام خوردنی اجناس کی کمی کو پورا کرنے کے لئے کافی ہے۔

(۲۴) بنگال کی حقیقی مشکل یہ ہے کہ عام غلے کی تقسیم ٹھیک نہیں ہو رہی ہے خود غرض سیاسی

کثیر ذخیرے کر کے لوگوں کی مشکلات سے فائدہ اٹھا رہے ہیں بنگال کی اہم سیاسی جماعتوں کے شدید باہمی اختلافات نے صورت حال کو اور بھی ابتر بنا دیا ہے۔

(۲۵) ملک کی غذائی صورت حال کی خرابی کی میری رائے میں دو بڑی وجوہات ہیں ایک تو یہ کہ ملک میں نقل و حمل کی دقتیں بہت بڑھ گئی ہیں ایک جگہ سے دوسری جگہ تک مال لے جانے کیلئے ریل کے ڈبے آسانی سے حاصل نہیں ہو رہے ہیں دوسرے مختلف صوبجات نے غلہ کی درآمد و برآمد پر طرح طرح کی پابندیاں عائد کر رکھی ہیں اس نے صورت حال کو اور بھی ابتر بنا دیا ہے۔

میری اہم سفارشات کا خلاصہ

(۱) اب وقت آگیا ہے کہ ضروریات زندگی کی چیزوں کی بیش ترین قیمتیں حکومت کیطرف سے مقرر کر دیجائیں

(۲) تمام متبادل اجناس کی قیمتیں مقرر کرنا بھی ضروری ہے۔

(۳) گیہوں کی انتہائی قیمت لائل پور اور ملتان پور میں ۸ روپیہ فی من سے ہرگز زیادہ نہ ہو۔

(۴) ان قیمتوں کو پوری طرح نافذ کرنیکے لئے یہ ضروری ہوگا کہ حکومت اجناس کے مناسب ذخیرے جمع کرے اور ان تمام اجناس کو اپنے مقررہ قیمت پر فروخت کرے۔

(۵) اگر کاشتکار اپنے ذخائر حکومت کی مقررہ قیمت پر برضا فروخت کرنیکے لئے تیار نہ ہوں تو حکومت جبریہ ان سے اجناس کو حاصل کرنیکا انتظام کرے۔

(۶) کسان یا دکاندار جو خوردنی اجناس کا ذخیرہ کریں انکو سخت سے سخت سزا دیجائے اور سزائے موت بھی اس کے لئے زیادہ سخت سزا نہ سمجھی جائے۔

(۷) ملک کی غذائی صورت حال اسوقت تک بہتر نہیں ہوسکتی جب تک کہ اجناس کی نقل و حمل میں

آزادی نہو میں صوبجاتی بندشوںکو دور کیا جائے اور ہندوستان کو کم از کم غذائی تقسیم کی حد تک ایک حد تصور کیا جائے

(۸) خوردنی اجناس کی ناموزوں تقسیم کو بہتر بنانیکے لئے یہ ضروری ہے کہ ذرائع نقل و حمل کو بہتر بنایا جائے خوردنی اجناس اور دیگر ضروریات زندگی کی حد تک شہری ضروریات کو کسی طرح کم اہمیت نہ دیجائے کیونکہ شہری آبادی بھی اس جنگ میں اتنا ہی اہم کام کر رہی ہے جتنا کہ فوجی۔

(۹) غلہ کی برآمد قطعی روک دیجائے اور دیگر ممالک سے غلہ درآمد کرنے کی ہر ممکنہ کوشش کی جائے

(۱۰) غذائی صورت حال کو بہتر بنانیکے لئے راتب بندی میری رائے میں سب سے آخری حربہ ہے اور اسے اسوقت تک استعمال نہ کرنا چاہئیے جب تک کہ دوسرے حربوں کی پوری طرح آزمائش نہ کر لی جائے مجھے یقین ہے کہ اگر میری متذکرہ سفارشات پر عمل کیا جائے تو غالبًا اس نہائی حربہ کو استعمال کرنے کی ضرورت درپیش نہ آئیگی۔ چالیس کروڑ آبادی والے ملک میں راتب بندی کا کام آسان نہیں ہے اگر راتب بندی کیجائے تو یہ ضرور ہے کہ لوگوں کو غذا کی ایک مناسب مقدار (جو آدھ سیر فی کس سے کسی طرح کم نہ ہو) ملنا چاہئیے اور انکو حکومت کی طرف سے اس کا پورا یقین دلایا جائے کہ یہ راتب ان کو مسلسل اور متواتر ملتا رہے گا۔

(۱۱) حیدرآباد کی غذائی صورت حال بفضلہ ہندوستان کے دیگر علاقوں سے کہیں بہتر ہے اس کامیابی کی بڑی وجہ یہ ہے کہ یہاں حکومت نے غلہ کا مناسب ذخیرہ جمع کرنے کا انتظام کئی برس سے کر رکھا ہے اور اس ملک کی باضابطہ تکمیل کمرشیل کارپوریشن کے قیام سے عمل میں آئی ہے۔ ہندوستان کے علاقوں میں بھی ایسے اداروں کے قیام کی سفارش کی جاتی ہے۔

گریگری کمیٹی کی رپورٹ

یہ مقالہ طباعت کیلئے بھیجا جا چکا تھا کہ مجھے حکومت ہند کی اس مشہور کمیٹی
کی رپورٹ کا نسخہ ملا جو ہندوستان کی غذائی صورت حالات کا جائزہ لینے کیلئے سر
تھیوڈور گریگری معاشی مشیر حکومت ہند کی صدارت میں قائم کی گئی تھی میں نے مقالہ میں
اس بات پر افسوس کا اظہار کیا تھا کہ مجھے تازہ ترین اعداد نہیں مل سکے۔ چونکہ اب یہ
اعداد و شمار اس رپورٹ سے دستیاب ہو گئے ہیں اسلئے انکا خلاصہ ذیل میں درج کیا جاتا ہے

چاول کی درآمد میں کمی!

۱۹۴۰-۴۱ء میں (۱۳۷۲۸۸۸) ٹن چاول ملک میں درآمد کیا گیا تھا لیکن
۱۹۴۳-۴۴ء میں صرف (۱۸۱۳۲) ٹن چاول درآمد کیا گیا لیکن درآمد میں اس نمایاں کمی کے
باوجود بھاری برآمد کم و بیش جاری رہی۔ ۱۹۴۱-۴۲ء میں چاول کی برآمد (۲۷۷۹۹۱)
ٹن تھی اور ۱۹۴۳-۴۴ء میں (۲۷۶۸۱۹) ٹن رہی۔ اسی طرح گیہوں کی درآمد
۱۹۴۳-۴۴ء میں صرف (۱۶۳) ٹن تھی اسکے برعکس برآمد (۲۶۱۴۲) ٹن تھی۔ اسی طرح دیگر
خوردنی اجناس اور دالوں کی برآمد جو ۱۹۳۸-۳۹ء میں صرف (۱۴۰۰۶) ٹن
تھی۔ ۱۹۴۲-۴۳ء (۷۵۹۸۶) ٹن ہو گئی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ جنگ سے پہلے ہندوستان
جو دس لاکھ ٹن سے زائد خالص غلہ درآمد کرتا تھا اور حال حال ہی میں یعنی ۱۹۴۱-۴۲ء
میں بھی ہندوستان نے (۲۳۱۱۵۲) ٹن غلہ خالص درآمد کیا۔ ۱۹۴۲-۴۳ء میں

۔ بجائے غلہ درآمد کرنے کے ہم نے خالص (۳۱۳۰۶۰) ٹن غلہ برآمد کیا۔ یہ ہندوستان کی گذشتہ ستّر آٹھ سالہ تاریخ میں پہلا موقعہ تھا کہ ملک میں غلے کی خالص برآمد کی گئی۔

اسکی وجہ سے ۴۳-۱۹۴۲ء میں ملک کی غذائی صورت حال بہت متاثر ہوئی ہے گرگری رپورٹ نے اب اس بات کا انکشاف کیا ہے کہ ملک میں کم سے کم دس لاکھ ٹن غلے کی کمی ہے۔ میں نے ملک کی غذائی صورت حال پر جو اس مقالہ میں تذکرہ کیا ہے وہ ۴۵-۱۹۴۱ء کے اعداد و شمار پر مبنی تھا جبکہ ملک میں غلہ کی کمی نہ تھی۔ اب چونکہ ملک میں مجموعی طور پر یہ غذا کی کمی ثابت ہو رہی ہے اس لئے حکومت نے جو راتب بندی کی سفارش کی ہے وہ نظر ثانی کی محتاج ہے۔ راتب بندی پر میں نے جو اعتراضات کئے ہیں گرگری کمیٹی کی رپورٹ نے اس سب اعتراض کو نہایت معقول قرار دیا اور اپنی رپورٹ میں اس امر کی پر زور سفارش کی ہے کہ حکومت کو چاہئے کہ راتب بندی کے لئے ایسے عہدہ دار مقرر کئے جائیں جن کا سلوک عوام سے نہایت احسن ہو۔ راتب بندی بڑے شہروں کے علاوہ بتدریج چھوٹے شہروں میں بھی جاری کی جائے اور دیہاتی علاقوں میں بھی جہاں زرعی مزدوروں کی کثرت ہو مناسب غذا مہیا کرنے کا انتظام کیا جائے۔ اخبارات میں راتب بندی کے متعلق جو اعلانات شائع ہوئے ہیں ان میں ان تشریحات کا ذکر نہ تھا۔ حالانکہ یہ تشریحات بہت ضروری ہیں اور اس سے مسئلہ کی نوعیت بالکل بدل جاتی ہے۔

راتب بندی

معاشی زاویہ نگاہ سے راتب بندی کے حق میں بہت سے دلائل ہیں جیسے کسی چیز

کی رسد کم ہو اور وہ چیز ضروریات زندگی سے تعلق رکھتی ہو یا فوجی لحاظ سے اہم ہو تو اسکی راشن بندی ضروری ہے۔ جہاں تک کم استطاعت لوگوں کا تعلق ہے انکے لئے راشن بندی بہت مفید ہے کیونکہ اس طریقہ سے انکو اپنی ضروریات زندگی کی چیزیں حکومت کے مقررہ کردہ داموں پر حاصل ہو سکتی ہیں۔ اگر راشن بندی نہ ہو اور خوردنی اجناس کو طلب و رسد کے رحم و کرم پر چھوڑ دیا جائے تو امیر لوگ حسب لخواہ چیزیں حاصل کر سکتے ہیں انکو کسی قسم کی تکلیف باقی نہیں رہتی اور غریب لوگوں کو اپنے پیٹ پر پتھر باندھنا پڑتا ہے۔ جنگی معیشت کا ابتدائی اصول یہ ہے کہ امیر غریب مئیس مزدور ہر شخص یکساں ایثار و قربانی کرے۔ اور خوردنی اجناس کی ملک میں اگر کمی ہو تو راشن بندی سے مساوات حاصل ہو سکتی ہے۔ یہ سب دلائل راشن بندی کے حق میں ہیں۔ اور اس سے کسی کو انکار نہیں کہ یہ سب قوی دلائل ہیں۔ یہاں سوال یہ ہے کہ ہندوستان کے حالات کو پیش نظر رکھتے ہوئے آیا راشن بندی سے موجودہ غذائی صورت حال کا صحیح علاج ہو سکتا ہے؟ انگلستان ایک چھوٹا سا ملک ہے وہاں راشن بندی کے لئے (۳۶) ہزار افسر مقرر کئے گئے ہیں۔ اگر ہندوستان میں اسی طریقہ سے راشن بندی کی جائے تو کتنے افسروں کی ضرورت ہوگی؟ پھر ہمارے ملک کے عام عہدہ داروں کا کاروباری تجربہ لوگوں کے ساتھ حسن سلوک اور کاروبار میں راست بازی اور ہمیشہ لالچ سے بالاتر رہنا کس حد تک

ہم کو یقین دلاتا ہے کہ وہ اس کام کو خوبی سے سرانجام دے سکیں گے
میری ذاتی رائے یہ ہے کہ اگرچہ راتب بندی معاشی نقطۂ نظر سے بہت
مفید ہے لیکن ہندوستان میں انتظامی دقتیں اسقدر زیادہ ہیں
کہ ہم اسکو خوش اسلوبی سے سرانجام نہیں دے سکتے۔ اور اگر اس کو
خوش اسلوبی سے انجام نہ دے سکیں گے تو ایسے نتائج پیدا ہوں گے
کہ ممکن ہے کہ صورت حال اور زیادہ خراب ہو جائے۔ میری
رائے یہ ہے کہ غلے کی انتہائی قیمتیں مقرر کر دی جائیں۔ حکومت
مناسب مقدار میں غلہ جمع کرے اور نقل و حمل کی آزادی پورے
ملک میں قائم رہے۔ اور اگر غلہ ملک میں کم ہو تو بیرون ملک سے
اسے حاصل کیا جائے تو ملک میں بغیر راتب بندی کے بھی کام چل
سکتا ہے۔

انور اقبال قریشی
۳ر دسمبر ۱۹۴۲ء